نقش و نگار

یعنی

(نظموں اور غزلوں کا مجموعہ)

از

جلیل احمد قدوائی بی اے (علیگ)

باہتمام محمد مقتدیٰ خاں شروانی

مطبع مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں چھپا ۱۳۴۸ھ ۱۹۳۰ء

تعداد طبع ۱۰۰۰ جلد

قیمت عہ/

یہ کتاب مصنف سے حسبِ ذیل پتوں پر مل سکتی ہے:

مسلم یونیورسٹی
علی گڑھ

یا

"کاشانہ"
اناؤ

نقش و نگار

از

جلیل قدوائی

فہرست

مضمون	صفحہ

۲- غزلیں

صفحہ

مضمون

صفحہ

مضمون

۳ - رباعیاں

نذرانۂ عقیدت

بہ

(۱) بارگاہ آسودگانِ خاک، یعنی:

۱- استادِ سخن میرؔ

۲- میرزا غالبؔ

(۲) آستانۂ نکتہ سنجانِ ہم عصر، یعنی:

۱- سرآمد شاعراں، طوطی غزل خواں مولانا حسرتؔ موہانی مدظلہ العالی

۲- شاعرِ مشرق، علامہ سر محمد اقبالؔ مدظلہ

۳- شاعرِ شیوا بیان حضرتِ اصغرؔ

۴- بلبلِ شاخسارِ معنی، جگرؔ مرادآبادی

ع

اگرچہ عرضِ ہنر پیشِ یار بے ادبی ست

عرضِ مصنّف

اس مجموعہ سے متعلق مجھے ایک بات عرض کرنا ہے: ایک جملۂ اعتذار۔ مجھے شاعری کا دعویٰ نہیں، نہ یہ نقش و نگار اس غرض سے شایع کئے جاتے ہیں کہ شعرائے باکمال کی صف میں مجھے جگہ مل جائے۔ بعض احبابِ خاص کا اصرار ان کی اشاعت کا ذمہ دار ہے۔ میں اس سے بے خبر نہیں ہوں کہ یہ بالکل مختصر مجموعہ ہے اور اشعار غلطیوں سے پاک نہیں ہیں، مگر اُن کے نزدیک یہ گویا ان کی اشاعت کے جواز کا ایک اور سبب ہے۔ میں خود اپنا کلام ناظرین کی خدمت میں اس معذرت کے ساتھ پیش کرتا ہوں ؎

گانا اسے سمجھ کر خوش ہوں نہ سننے والے
دُکھے ہوئے دلوں کی فریاد یہ صدا ہے

بنگالی کوٹھی علی گڑھ
۲۵ فروری سنہ ۱۹۳۰ء

جلیل قدوائی

تعارف

دلیلِ عزّتِ اہلِ سخن ہمیں کافیست
کہ خردہائے قلم زیرِ پا نباید ریخت

شعروشاعری کی خوبی و دل کشی کے ثابت کرنے کو فلسفیانہ دلائل و براہین کا پیش کرنا، اور تائید مزید کے لئے خاور سے باختر تک تگ ودو کرنے کے بعد مغربی و مشرقی اہل قلم کے مقولے نقل کرنا نہ صرف رعبِ خطابت اور زورِ کتابت کا اظہار ہی بلکہ میرے نزدیک ایک فضول سی بات ہی اور بالکل ایسی ہی جیسے آفتاب کی روشنی دیکھ لینے کے بعد کسی آنکھ والے کو خبر کی جائے کہ "سورج نکل آیا"۔

حُسن کی رعنائیوں کا قائل نہ ہونا اور جمال کی نیرنگیوں سے متاثر نہ بننا ممکن ہی کہ زبانی لفّاظیوں سے ثابت کردیا جائے، لیکن جن کو نفسیات کی نبّاضیوں کا صحیح احساس ہی اُنھیں حور پرست زاہدوں کے دلوں کا حال خوب معلوم ہی۔

گفتن آئین ہوشیاری نیست
لیک دانستن اختیاری نیست

لہذا بے چون و چرا یہ بات ماننی پڑے گی کہ جس طرح مادۂ شاعری ایک ودیعتِ فطری ہے اسی طرح اس کی پسندیدگی بھی عادتِ بشری۔ اس اصول کے ماتحت مجھے یا کسی کو جلیلؔ قدوائی کی شاعری کے ناپسند کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں البتہ مراتب پسند میں کمی و بیشی ممکن ہے جس کی بہت سی قسمیں ہیں مثلاً:-

مشاعروں میں خاص و عام ہر طبقے کے سخن گو جمع ہو کر محض دادِ سخن کی تمنّا میں پوری پوری رات گزار دیتے ہیں اور دیکھنے والے سنتے ہیں کہ معمولی سے معمولی شعروں پر وہ واہ وا اور سبحان اللہ ہوتی ہے کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ یہ دل افزائیاں جس کو مشاعرے کی داد کہا جاتا ہے وقتی ہنگامہ آرائی سے زیادہ وقیع نہیں۔

اسی طرح جب دو شاعر ہستیاں ایک دوسرے سے ملتی ہیں تو علیک سلیک اور مزاج پرسی کے بعد جانبین سے سخن رانی کی فرمائش کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور تکلفاتی انکار و اصرار کی نقاب کشائی کے ساتھ باہم اصلی حرف و حکایت کا آغاز کیا جاتا ہے۔ اس ضمن میں واہ وا اور ماشاءاللہ کی جو داد و ستد ہوتی ہے وہ "من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو" کی شرح و فرہنگ سمجھنی چاہیئے۔

تیسری قسم کی داد اپنی روداد کے لحاظ سے غائبانہ شطرنج کی مثال ہے جو پرانی ترکیبوں کی تقاریظ اور قطعاتِ تواریخ کی بساط پر بچھائی جاتی ہے۔ جس کی تعریف کا ادنیٰ نمونہ اعلیٰ سے اعلیٰ غلو و تبلیغ کا ہم نوا ہوتا ہے۔ مثلاً-

حبّذا فیضِ تعلق، معجز کلکش نگر گرو دصد سالہ رہ پیش نظر باشد ہماں

تحسین و آفریں کی یہ قسمیں پرانے بزرگوں ہی آداب محفل، مراسم لحاظ و مروت اور تکلفاتِ اجنبیت سے نامزد کی جاتی ہیں، لیکن یہاں مجھے موجودہ زمانے کے ایک گریجوایٹ کی شاعری کا تبصرہ کرنا ہے۔ اور اگرچہ میں خود دنیا نہ سہی پھر بھی "زمانہ با تو نہ سازد تو باز مانہ بساز" کے مطابق اس انداز کی تنقید ہونی چاہیے جس کی ترویج عصرِ جدید چاہتا ہے۔

مسٹر خلیل قدوائی بی اے کو میں اُس وقت سے جانتا ہوں جب کہ وہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے انٹر کالج میں بہ حیثیتِ طالب علم داخل ہوئے تھے! اردو نصاب میں نثر کے علاوہ قدیم وجدید ہر دور کی شاعری کا انتخاب بھی شامل ہے۔ اس لئے مجھے یہ اندازہ ہوتا رہا ہے کہ متعلمین میں کس کس کو شعر و سخن سے زیادہ شغف ہے۔ اس تجربہ کی بنا پر میرا یہ اعتماد کسی رعایت کی بنیاد پر نہیں کہ خلیل قدوائی میں شاعری کے جذبات اُس وقت بھی نمایاں تھے۔ غور و فکر، تلاش و تجسس، اور خاموشی و استغراق جو استعارۃً ایک فطری شاعر کے آلاتِ کشاورزی کہے جاسکتے ہیں وہ اُن کو ابتدا سے گویا بلا تردد حاصل تھے۔ اگرچہ اپنے نصاب کی نظموں کو وہ سبقاً سبقاً پڑھتے تھے جنھیں رواجاً امتحان کے بعد بھول جانا چاہیے تھا مگر اس کے برعکس دیکھا گیا کہ اس ہنگامی ضرورت کے بعد بھی وہ ان اثرات کو اپنے دل و دماغ میں محفوظ کئے ہوئے تھے۔ چناں چہ انھیں تحفظات و تخیلات کا یہ اثر پایا گیا کہ بی اے ہونے کے ساتھ ہی وہ ایک اچھے مترجم، بہترین فسانہ نویس اور پسندیدہ شاعر نظر آنے لگے۔

اس وقت اکثر مشہور و معروف جرائد و رسائل میں اُن کے مضامین نثر و نظم پوری خواہش و رغبت سے شائع کیئے جاتے ہیں، جس سے اُن کے کلام کی قبولیتِ عام کا ثبوت ملتا ہے۔ وقت کی نامساعدت کہیئے یا بخت کی خوبی بہر صورت مسٹر جلیل بعض اپنے ناموافق حالات کی بدولت کچھ حسرت گزیں سے نظر آتے ہیں۔ اس حسرت آمیزی نے اُن کے تخیلاتِ بلند کو جس کشاکش میں ڈال رکھا ہے وہ ضرور قابلِ افسوس ہے لیکن اسی حسرت پسندی نے اُن کے گلخنِ شاعری میں اس سوز و گداز کی خاکستر کو جمع کر دیا ہے جس کے اعجاز کی گرم بازاری سے دنیائے شاعری میں میر سا پژمردہ دل حیاتِ جاوداں پائے ہوئے ہے۔

میر کی مثال سے بادی النظر میں شاید یہ جملہ رسمی مراعات کا آئینہ بردار سمجھا جائے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ "نقش و نگار" کے کچھ اشعار لکھ کر ناظرین کو خود انصاف کرنے کا موقع دیا جائے:۔

چشم تر ساری رات روتی ہے — جب کہ دنیا تمام سوتی ہے
باغ میں چاندنی چھٹکتی ہے — آنکھ بے اختیار روتی ہے
عہدِ عشرت کی یاد اے توبہ — دل میں نشتر سا اک چبھوتی ہے
اشک اب آنکھ میں نہیں آتے — نہ وہ دل میں خلش سی ہوتی ہے
بے قراری ہمارے دل کی حیف! — نام عشاق کا ڈبوتی ہے

دکھائے خوب محبت نے سبز باغ مجھے ملا نہ نخلِ وفا کا کہیں سراغ مجھے

موسمِ گل کا تذکرہ نہ کرو دلِ مرحوم یاد آتا ہے
اس کی محفل میں باریاب ہو دل شاد جاتا ہے شاد آتا ہے

دل چھوڑ کر جگر کو ستانے سے فائدہ؟ وہ بھی غریب دل کی طرح بے زبان ہے

دلِ افسردہ میں اتنا ابھی احساس باقی ہے کہ لگتی ہے ابھی آب و ہوائے گلستاں اچھی

اہلِ دل کا نہیں اس دور میں پرساں کوئی لئے بیٹھا ہے متاعِ غمِ پنہاں کوئی
فکرِ پوشیدگیِ راز میں ہیں دیوانے سی رہا ہے کوئی دامن تو گریباں کوئی

خوشی کے چند دن تھے جو خوشی میں کٹ گئے لیکن حیاتِ غم حیاتِ جاوداں معلوم ہوتی ہے
بھرے آتے ہیں آنسو سن کے حالِ گریۂ بلبل ارے دل! یہ تو اپنی داستاں معلوم ہوتی ہے
خدا معلوم کتنے اور کیسے غم اٹھائے ہیں ہنسی بھی دردمندوں کی فغاں معلوم ہوتی ہے

موسمِ گل میں بہم قمری و شمشاد ملے اک ہمیں چھٹ کے نہ تجھ سے ستم ایجاد ملے

چشمِ شوق سے پردہ تھا اگر اُنھیں منظور
برگ و گل میں آ بیٹھے کیوں وہ رنگ و بو ہو کر

مٹ چلے ہیں دل سے کچھ کچھ داغ ہائے آرزو
پھر چمک اٹھیں نہ اُس ظالم کو ہنستا دیکھ کر

جہانِ حسن میں کھائی ہیں ٹھوکریں اتنی
تمیزِ دشت ہے باقی نہ امتیازِ چمن

وفا کی رسم نہیں ہے جوانِ حسینوں میں
الٰہی دل نہیں رکھتے ہیں کیا یہ سینوں میں

کہاں کہاں دلِ صد چاک اشکِ خوں روئے
دبے ہیں سیکڑوں افلاک ان زمینوں میں

غمِ فراق میں حسرت سے یاد آتی ہے
وہ زندگی جو گزاری ہے مہ جبینوں میں

وہ اُٹھ رہے ہیں سرِ بزمِ عام کچھ کہنے
تڑپ رہے ہیں دلِ بے قرار سینوں میں

اِک آہِ سرد میں طے کی وہ راہِ عشق جلیل
جو راہ اوروں سے ہوتی ہے طے مہینوں میں

کیا ان اشعار کو پڑھنے سے یقین نہیں ہوتا کہ ان کا مصنّف تلخیِ روزگار کا مزا اچھی طرح چکھے ہوئے ہے؟ اور اسی کے ساتھ یہ گمان بھی قرینِ قیاس ہو سکتا ہے کہ یہ کلام کسی پختہ کار عمر رسیدہ شاعر کا ہوگا۔ حال آں کہ ایسا نہیں۔ مسٹر جلیل نے ہنوز عمر کے چھبیس مرحلوں سے آگے قدم نہیں رکھا ہے ان اشعار کو پڑھ کر یہ حسنِ ظن ہرگز بیجا نہیں کہ اگر فرصتِ شعر گوئی میسر ہو تو مسٹر جلیل

باوجود افسردگیِ ماحول گلہائے معانی سے چمنستانِ شاعری کو سرسبز و شاداب رکھ سکتے ہیں۔ کہا جاتا ہے اور بجا کہا جاتا ہے کہ پچھلے زمانے میں تحصیل علم کا مقصود بالذات علم ہوا کرتا تھا اور فی زمانہ پڑھنے کا منشائے اصلی حصولِ معاشیات۔ گزشتہ اہلِ کمال اپنے فن میں یکتا و بے مثال ہوتے تھے اور اب صرف ضرورتوں کی گراں باریوں کے حمّال۔ لیکن یہ نہیں دیکھا جاتا کہ عہدِ ماضی میں مقاصد و اغراض کی قلت اور اسباب و وسائل کی ارزانی اہل کمال کے افراط کا باعث تھی اور موجودہ زمانہ میں خواہشوں کی کثرت اور اشیاء کی گرانی ذہنی ہنروں کے انحطاط کا سبب ہے بقول مرزا غالب "صناعتِ شعر اعضا و جوارح کا کام نہیں، دل چاہیے، دماغ چاہیے ذوق چاہیے۔ آہنگ چاہیے۔ یہ نعمتیں غریب جلیل کو کہاں نصیب جو، بجے صبح سے ۵ بجے شام تک دفتر میں چوب درحساب اندر" نقش و نگار کا پرستندہ ماتی بنا ہو نہ آفرینندہ معنی۔

یہ مجموعہ اُن کی فکرِ سلیم کا ایک مختصر سا خاکہ ہے جس میں ۱۱-۱۲ مختلف عنوانوں کی نظمیں ۵۲-۵۳ تمام و ناتمام غزلیں اور (۱۰) رباعیاں ہیں۔ مجموعی حیثیت سے کلام قابلِ قدر اور لائق وقعت ہے۔ اور فن کے اعتبار سے بھی ایسی گرفت میں نہیں آسکتا جس سے شاعر کو ساقط الاعتبار کہا جاسکے بعض تسامح یا غلطیاں ثبوتِ انسانیت کے لئے ضرور موجود ہیں۔ بہت ممکن ہے کہیں کاتب نے اپنی سنتِ اسلاف کا فرض ادا کیا ہو بعض اشعار میں اسمائے ضمائر کا استعمال حشو و زوائد کے تحت میں آتا ہے اس قسم کی چند معمولی باتوں کے سوا بہت سی خوبیاں کلام جلیل میں موجود ہیں!

جن کی ناظرین کو قدر کرنی چاہیئے

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

خاکسار

احسن مارہروی

مقدمہ

میرے دیرینہ دوست جلیل قدوائی کی ذات اور اُن کے ادبی کارناموں سے تمام علم دوست حضرات بخوبی واقف ہیں۔ اُن کے مضامین، افسانے اور غزلیں شایع ہوکر مقبولِ عام ہو چکی ہیں۔ اُن کے افسانوں کا مجموعہ "سیرِ گل" ملک میں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا اور تمام موقت الشیوع رسائل کو اُن کے افکارِ عالیہ شائع کرنے کی عزت حاصل ہوتی رہتی ہے۔ جلیل کو دورِ حاضرہ کے نوجوان ادیبوں میں ایک نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ اُن کے احباب جو اُن کی قابلیت اور اُن کے ذہنِ رسا سے واقف ہیں، جانتے ہیں کہ دراصل وہ اس شہرت کے مستحق ہیں اور انشاءاللہ اس سے زیادہ بلندی اور نیک نامی حاصل کرنے میں کامیاب ہوں گے۔

جلیل قدوائی اُناؤ (اودھ) کے رہنے والے ہیں اگر علی گڑھ کی تعلیم و تہذیب کا اثر نہ ہوتا تو شاید خالص اودھ کے لباس میں نظر آتے، دُبلے پتلے اور کمزور، قد نہ چھوٹا نہ بڑا، چہرہ صاف اور ذہین۔ آنکھیں کشادہ، پُر رونق اور کسی شے کی متلاشی معلوم ہوتی ہیں۔ نہایت سادہ وضع اور سادہ طبیعت ہیں۔ اُناؤ یوں تو

ایک چھوٹا شہر ہے لیکن اس ضلع میں چند پرانی بستیاں بھی ہیں جیسے موہان جس نے حسرت جیسا شیوا بیان غزل گو پیدا کیا یا صفی پور جسے ولایت علی عزیز مرحوم کے وطن ہونے کا فخر ہے ۔ اس کے علاوہ رواںؔ کی موجودگی نے اناؤ کی فضا کو عرصہ سے ادبی کیفیات سے معمور کر رکھا ہے ۔ تھوڑا ہی عرصہ ہوا کہ اثرؔ لکھنوی اور جگر مرادآبادی کا قیام بھی اُناؤ میں تھا ۔

ایسے ماحول میں جلیلؔ نے اپنی جوانی کے ابتدائی دن گزارے' پہلو میں دل تھا دل میں درد' اس آب و ہوا نے اور گل کھلائے' شعر گوئی کا شوق ہوا ۔ کاملین کی صحبت ملی' پہلے ہی حسرتؔ کا فسوں خرمنِ دل پر صاعقہ ریزی کر چکا تھا ۔ اب خاکسترِ دل سے کو روشن ہوئی اور لختِ جگر اشعار کی صورت میں نکلنے لگے ۔ ناظرین کو یہ سُن کر تعجب ہو گا کہ جلیلؔ نے چھٹے درجے سے شعر کہنا شروع کیا ۔ لیکن اس زمانہ کا سارا کلام ضایع ہو گیا ۔ یہ جو کچھ چھپ رہا ہے بعد کا کلام ہے جس کے انتخاب میں کافی سختی سے کام لیا گیا ہے ۔ جلیلؔ کے ارتقاءِ ذہنی کو سمجھنے کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ آپ ان امور کو ذہن میں رکھیں ۔ اُن کی شاعری کے دو دور کہے جا سکتے ہیں پہلا دَور حسرت پرستی پر ختم ہوتا ہے جن کے ایک ایک شعر کا جلیلؔ نے نہایت انہماک اور محبت کے ساتھ مطالعہ کیا ہے اور جن کے اندازِ عشق کی ہر کیفیت مدتوں جلیلؔ کے پیشِ نظر رہی ہے ۔ اس کے بعد ایک طالب علم کی حیثیت سے وہ علی گڑھ آتے ہیں اور یہاں کی فضا کو اصغرؔ اور جگرؔ کے ترانوں سے معمور پاتے ہیں ۔ یلدرمؔ اس

ہونہار ادیب کو اپنی آغوشِ شفقت میں لیتا ہے اور ہر طرح اس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ جو اصحاب یلدرم سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ اُن کے پہلو میں کیسا پُر خلوص دل ہے اور اُن کا مذاقِ ادب و شعر کس قدر پیارا ہے اس لحاظ سے جلیل کو یہ ایک بڑی سعادت نصیب ہوئی کہ اُنھیں یلدرم جیسے صاحبِ کمال نے اپنے آغوشِ شفقت میں لیا اور عنفوانِ شباب میں جب کہ گمراہ ہونے کے قوی خطرات ہوتے ہیں اُن کی ہدایت فرمائی۔ جلیل کو اُن کی ذاتِ گرامی سے بے اندازہ محبت ہے چنانچہ اُن کے علی گڑھ سے رخصت ہونے پر جلیل نے جو اشعار کہے ہیں اُن کے لفظ لفظ سے محبت اور عقیدت ٹپکتی ہے ملاحظہ ہو:-

خدا حافظ ترا اے یارِ جانی — تجھی سے تھی بہارِ زندگانی
برابر دل کو یاد آتی رہے گی — وہ تیری مرحمت وہ مہربانی
وہ اہلِ دل سے تیرا لطف و اخلاص — ادب اور علم کی وہ قدر دانی
میں کیا تھا اک گدائے بے نوا تھا — مگر کی تو نے ایسی قدر دانی
کہ تیری صحبتوں کے دم سے میں نے — غمِ ہستی کی صورت بھی نہ جانی

اُن کے دوسرے دور کے کلام میں برابر اصغر اور جگر کے رنگِ سخن اور علی گڑھ کے موجودہ مذاقِ شعر کی جھلک موجود ہے۔

جلیل کا یہ کہنا کہ وہ شاعر نہیں اور محض احباب کے اصرار پر یہ اس مجموعہ کو ملک کے سامنے پیش کر رہے ہیں ایک ناروا انکسار ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جلیل شاعر ہیں اور

ادیب بھی اور اگر میرا یہ ایمان نہ ہوتا تو میں اس مجموعہ کی اشاعت پر انھیں ہر گز مجبور نہ کرتا۔ مجھے اس سے انکار نہیں کہ اُن کے کلام میں کہیں کہیں پختگی کی کمی ہے۔ غزلیں مسامحات سے پاک نہیں بعض بندشیں بھی شاید کمزور ہوں یا یں ہمہ اس میں بلند پایہ شاعری کے تمام علامات موجود ہیں۔ اس مجموعہ کی حیثیت ایک کلی کی ہے جس کی رعنائیِ جمال اور بوئے مست تماشائیوں کی نگاہ سے مخفی تو ہوتی ہے مگر جن کے وجود کا ہر شخص کو فرداً فرداً الیقین ہوتا ہے۔ جلیل حقیقتاً ایک نیچرل درد آفریں شیوا بیان غزل گو ہے۔ لیکن وہ اپنے ترنم ریز ساز کے تاروں سے کہیں کہیں ایسا نغمہ جگا دیتا ہے جو ہمیں موسیقی کی فضائے بسیط میں ذرا دیر کے لئے ٹھہرنے اور غور کرنے کے لئے مجبور کر دیتا ہے۔

اس مجموعہ کے دو جزو ہیں۔ پہلے حصہ میں نظمیں ہیں دوسرے میں غزلیں' پہلی نظم حسرت موہانی پر ہے جسے اس شاعر نکتہ سنج کی بارگاہ میں جلیل کی طرف سے ایک حقیر نذر سمجھئے۔ نظم صاف شستہ اور پُر تاثیر ہے روانی اور شستگی کے لحاظ سے اس نظم کو چوٹی کی نظموں میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس نظم کا انداز بیان بھی حسرت ہی کا ہے۔ جلیل صحیح کہتے ہیں فضائے اُردو ابھی بے حس ہے آگے چل کر حسرت کے کمالات کی قدر ہو گی۔ اس میں شک نہیں کہ رنگِ تغزل میں حسرت کا مرتبہ اس دور کے شعرا میں سب سے بلند ہے اور فرداً فرداً اُن کے کمالِ شاعری کا بڑے سے بڑے اُستاد کو اعتراف ہے تاہم اُن کی عظمت اس

سے زیادہ مستقل اعتراف چاہتی ہے۔ اور اگر ہم اس قدر مردہ دل اور اپنی زبان کے ادیبوں اور شاعروں کے کمال کے اعتراف میں اس قدر بخیل نہ ہوتے تو یقیناً حسرت کو اب تک متعدد یادگاروں کی صورت میں داد دے چکے ہوتے۔ جلیل کی یہ نظم خدا کرے ایسی یادگاروں میں سے ایک یادگار ہو۔

دوسری نظم "مولانا شرر کا مرثیہ" ہے جس کے تینوں بند انداز بیان اور تاثیر کے لحاظ سے بے حد دل کش ہیں۔ مرثیہ کا آخری حصہ خصوصیت کے ساتھ داد طلب ہے، جہاں شاعر کمال ندرت کے ساتھ ایک پُر امید لَے چھیڑتا ہے اور مایوس ہونے کے بجائے پُر حوصلہ انداز سے نظم کو ختم کرتا ہے۔

اس کے بعد دو اور نظمیں ناظرین کے لئے نہایت لطیف اور شیریں ثابت ہوں گی ایک نظم تکیہ پر ہے جو غالباً بالکل نیا عنوانِ نظم ہے۔ آخری بند بے حد پُر لطف ہے اس میں مولانا درد (بریلی) کے انداز کی جھلک پائی جاتی ہے۔ تکیہ پر یہ اشعار لکھ دینا ہ

تیری تیاری میں آئے کام دستِ ناز نہیں ۔۔۔ تو سرورِ جاں ہے تیری منزلت میں شک نہیں

تو لطیفہ ہے کسی کی قوتِ اعجاز کا ۔۔۔ دل کشی میں تیری اک پر تو ہے روئے ناز کا

تخیل کی بلند پروازی اور مضمون آفرینی کی ایک دل کش مثال ہے "ابرِ بہار" اور "برکھا رت" ہر لحاظ سے جلیل کی بہترین نظموں میں شمار کئے جانے کی مستحق ہیں۔ ان دونوں نظموں میں PERSONAL TOUCH. نے چار چاند لگا دئے ہیں پہلی نظم کے ابتدائی حصہ کے یہ اشعار ہ

جلوہ دکھلاتی ہے اپنا زیرِ دامانِ سحاب — نو عروسِ برق یعنی دخترِ ابرِ بہار

یا

موجۂ بادِ بہاری گو سُبک رفتار ہے — چھیڑ سے اس کی مگر ہوتا ہے دل کو انتشار

اور آخری حصّہ کے یہ پانچوں اشعار ؎

آرزو ہے دل کی کھیتی بھی کبھی سر سبز ہو — گلشنِ حسرت میں بھی اے کاش آجائے بہار
اپنے دل سے بھی کبھی ایسی اُٹھے کوئی گھٹا — جس سے کم ہو جائے کچھ میرے غمِ الفت کا بار
سینۂ سوزاں میں بھی بجلی چمک اُٹھے کبھی — اس سیہ خانہ سے بھی اُڑنے لگیں غم کے شرار
کاش میرا طائرِ دل بھی صدا دینے لگے — ہو کبھی میرا بھی ظلمت خانۂ دل مرغ زار
بوئے الفت سے مرا سینہ بھی بس جائے کبھی
کاش دل کی بھی گھٹا یا رب برس جائے کبھی

ازبس وجد آفریں ہیں۔

"برکھا رُت" کو اس مجموعہ کا شاہ کار کہنا بیجا نہ ہوگا۔ بحر چھوٹی زبان شیریں موسمِ برشگال کے کلاسیکل مناظر کی نہایت کامیاب مصوّری، اندازِ بیان انوکھا، یہ اس نظم کی دل آویز خصوصیات ہیں اور یہ اشعار ؎

باغ میں پریاں جھول رہی ہیں — حُسن پہ اپنے پھول رہی ہیں
دھانی ساڑھی اونچا دامن — ترچھی نظریں تیکھی چتون
نین رسیلے، چھب متوالی — ہنسی انوکھی، بات نرالی

سر سے وہ آنچل کا ڈھل جانا　　شرما کر وہ سر کو جھکانا
ایک ہی کس انداز سے ہنستی　　ٹپک رہی ہے آنکھ سے مستی

یا

برکھا آئی پیا نہ آئے　　بدری چھائی پیا نہ آئے
سونی سیجیا جرا نہ بھاوے　　دامن دیکھے جیا جراوے
کوئل بولے برہی بانی　　کون سنے یہ رام کہانی
برکھا آئی آئے نہ سیّاں　　کون جتن اب کروں میں گوئیاں

تو بڑے سے بڑے شاعر کے دیوان کے لئے زینت کا باعث ہو سکتے ہیں۔

نظموں کے بعد غزلیں ہیں جن میں خلیلؔ نے غیر معمولی کاوش اور محنت کی ہے اور اسی وجہ سے اُن میں کہیں کہیں ایسے اشعار بھی ملتے ہیں جو عام روش سے علیحدہ اور پاکیزہ خیالات کے ترجمان ہیں۔ فی الجملہ تمام غزلیں پسندیدہ، پُر درد اور پُر کیف ہیں اور حسرتؔ یا اصغرؔ وغیرہ کے رنگِ سخن سے متاثر ہونے کے باوجود ایک خاص اندازِ بیان رکھتی ہیں جسے خلیلؔ کا اندازِ بیان کہئے۔ خصوصیت کے ساتھ چھوٹی بحروں کی حلاوت اور شیرینی تعریف اور توصیف سے بالاتر ہے۔ بعض اشعار منتخب کر کے ناظرین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں:-

آج ہوتی ہے دل میں ایک خلش　　آج کھلتا ہے راز راحت کا
وہ زمیں جس پہ ہیں قدم تیرے　　ایک تختہ ہے باغِ جنت کا

لب پہ آئے برتے جو حرفِ سخن — ایک دفتر ہے وہ فصاحت کا

کیسا ویرانہ، کیسی آبادی؟ — اقتضا اور کچھ ہے وحشت کا

عمر ساری ملال میں گذری — اللہ اللہ فریب راحت کا!

ہو گیا کُل جہان پردۂ راز — یہ اثر میری چشمِ حیرت کا

بجھ گئے دل کے ولولے سارے — پھول مرجھا گیا محبت کا

ان اشعار کو افکار کی رعنائیٔ زبان کی پُر لطف سادگی اور تغزل کی گوناگوں شادابی کا ایک باصرہ نواز مرقع کہنا بیجا نہ ہوگا۔ یہ اشعار میں نے ایک ہی غزل سے چن کر آپ کی خدمت میں پیش کئے ہیں۔ ایسے کامیاب اشعار کی مثالیں آپ کو اس مجموعہ میں برابر ملیں گی۔

نیرنگیٔ انتظار کب تک؟ — یہ گریۂ زار زار کب تک؟

تسکین ہے وجہِ راحتِ دل — تسکین کا اعتبار کب تک؟

اشکوں پہ ہے اختیار، مانا — پر اشکوں پہ اختیار کب تک؟

کیوں پھینک نہ دوں جنوں میں یہ بھی — پیراہنِ تار تار کب تک؟

خود بخود پاؤں میں نکلے چھالے — کیا بیاباں میں بہار آئی ہے

آج پھر قلب میں ہے اک جنبش — گفتگو ان سے آج ہوتی ہے

بعض غزلیں ایسی مسلسل و مربوط ہیں کہ نظمیں معلوم ہوتی ہیں جو وصف قدما کے نزدیک کفر کے مترادف تھا۔

آہ وہ ابتدائے عشق کے دن — وہ زمانِ بہار کی باتیں
ذکرِ ایامِ کامرانِ وصال — طالعِ سازگار کی باتیں
چشمِ پُر شوق کے پیام لطیف — نگہِ شرمسار کی باتیں
دلِ مرحوم کی اُٹھان کی شان — ہائے اس ہونہار کی باتیں
اب نہ دل ہے نہ دل میں سوز و ساز — نہ وہ اس دل فگار کی باتیں
اب نہیں ہے بہار اب نہ کرو — اس خزاں میں بہار کی باتیں

آئی عجیب شان سے فصلِ بہارِ گل — پھولے ہیں اپنے حسن پہ کیا کیا نگارِ گل
پھر ہو رہا ہے تازہ مذاقِ جنونِ عشق — پھر چل رہی ہے موجِ نسیمِ بہارِ گل
ناکامِ عشق تسلّی کے واسطے — جاتے ہیں فرطِ شوق میں سوئے دیارِ گل
اللہ رے حسن و عشق کی کامیابیاں — گل محوِ عندلیب ہے بلبل نثارِ گل
مدت کے بعد آن کے بیٹھی جو عندلیب — فرطِ خوشی سے جھوم گئی شاخسارِ گل

کہیں الفاظ سے دنیائیں پیدا کی ہیں اور محض تکرارِ عبارت سے شعر میں بڑے لطیف معنی پنہاں کئے ہیں۔

حالِ دل سن کے مرا کوئی پشیماں کیوں ہے — حالِ دل سن کے مرا ہو نہ پشیماں کوئی

ہے تار تار پیرہن اب کی بہاریں ــــ یارب ہو خیر پیرہنِ تار تار کی

اک عمر سے برباد ہیں ہم راہِ فنا میں ــــ اک عمر اسی راہ میں برباد رہیں گے

یہ تو تھے ظاہری محاسن لیکن جیسا کہ میں نے اوپر ایک جگہہ عرض کیا ہے۔ جلیلؔ کے کلام میں ایسے اشعار بھی ملتے ہیں جو ہمیں شاعری سے علیحدہ تھوڑی دیر ٹھہرنے اور غور کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ اس اعتبار سے اُن کی غزلیں رنگ برنگ اور انواع و اقسام کے خیالات کا مرقع یا مخزن ہیں۔ ان میں دنیا کے گوناگوں تجربات، یارانِ وطن کی بے مہریاں زندگی کی پیچیدہ گتھیوں پر خیال آرائی، مسئلہ جبر و اختیار، دردِ عشق کی نیرنگیاں، حسن کی جلوہ نازکے مرقعے سبھی موجود ہیں بعض نمایندہ اشعار لے کر اُن کی تحلیل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

جلیلؔ غم کے پرستار ہیں۔ اُردو شاعری پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس میں حوصلہ اور امید کی کمی ہے اور مایوسی ہی مایوسی ہے لیکن اگر شاعر کا سب سے بڑا جوہر حقیقت نگاری ہے تو جلیلؔ کی زندگی ایسے حادثات اور حالات سے گزری ہے کہ انھیں غمِ دنیا کی سب سے بڑی صداقت معلوم ہوتی ہے۔

غمِ دنیا کو اپنی زیست کا حاصل سمجھتے ہیں ــــ یہ وہ عقدہ ہے جس کو صرف اہلِ دل سمجھتے ہیں

ڈرایا اس قدر طوفانِ بحرِ زندگانی نے ــــ کہ ہم ساحل کو بھی موجِ لبِ ساحل سمجھتے ہیں

دہر میں تھا میں وہ لذت آشنائے اضطراب ــــ ساز کا نغمہ بھی مجھ کو اک صدائے درد تھا

خوشی کے چند دن تھے جو خوشی میں کٹ گئے لیکن — حیاتِ غم حیاتِ جاوداں معلوم ہوتی ہے

مایوسیوں نے پیہم دل سرد کر دیا ہے — اب آرزو کے بدلے اک داغِ آرزو ہے

ریاضِ دہر میں ہوں میں وہ نخلِ مایوسی — کبھی نہ سبز جسے موسمِ بہار کرے

اک دلِ مایوس اور الفت کی سوختیں — اک غمِ ناکام اور ساری خدائی کے مزے

دنیا کیا ہے؟ یہ جہانِ ظاہر حقیقی ہے یا اس کے پیچھے اور کوئی جہان ہے؟ جو نظر آتا ہے وہ اصل ہے یا اصل پر پردہ پڑا ہے۔ ابتدائے آفرینش سے آج تک یہ سوال انسان کے دل و دماغ کو بے چین کئے ہے مگر راز اب تک سربستہ اور چشمِ حیرت بدستور نگراں ہے:

ازل سے عقل ہے محوِ کشودِ رازِ چمن — اٹھا سکی نہ مگر پردۂ مجازِ چمن

کہیں حجابِ شہود اور کہیں شہودِ حجاب — عجیب راز و عجب انکشافِ رازِ چمن

گناہ کیا چیز ہے؟ کیا یہ خدا کی طرف سے نہیں؟ دنیا اور انسان کی تمام حرکات اگر کسی قوت کے ماتحت ہیں تو پھر گناہ و ثواب کی تفریق کیسی؟ گناہ پر عذاب اور ثواب پر رحمت کیوں ملے گی؟ یہ خیالات ہیں جن سے انسان کا دماغ تمام زندگی برسرِ پیکار رہتا ہے۔ کچھ لوگ مذہب کے ڈر سے اُن شبہات کو زبان پر نہیں لا سکتے دل کو تسکین نہیں مگر کہہ نہیں سکتے لیکن شاعر بے قابو ہو جاتا ہے۔

الٰہی! تجھ کو گر تقصیر کی تعذیر دینی تھی — ابھارا کس لئے دنیا میں تو نے ذوقِ عصیاں کو

کیا دیکھیے ہو حشر گناہ و ثواب کا — گزری تمام عمر گناہ و ثواب میں

انسان کا سب سے پہلا گناہ باوجود ہزاروں برس کی آہ و زاری اور عجز و اطاعت کے

آج تک نہ معاف ہو سکا - ہمارا وجود اس کا ثبوت ہے:

ازل سے جرم کا میرے ہے تذکرہ جاری — کسی غریب کو یوں بھی نہ کوئی خوار کرے

ہم کہاں سے آئے ہیں؟ کہاں ہیں؟ کہاں جائیں گے؟ کچھ نہیں معلوم' ایک قوت ہے جو کہیں سے لائی ہے اور کہیں لئے جا رہی ہے - توہمات' خیالات اور عقاید عمر کے ساتھ ساتھ تشکیل پاتے ہیں لیکن دل کی تہ میں شک اور بے چینی بدستور باقی رہتی ہے:

منزل کا ہوش کچھ ہے نہ ہے راہ کی خبر — لے جائے کس طرف دلِ دیوانہ دیکھئے

سمجھو اسی طرف ہے مری منزلِ مراد — لے جائے جس طرف مرادردِ جگر مجھے

اس دنیا میں جتنی عظیم ہستیاں گزریں سب نے خود اپنے قایم کردہ آدرش کی جستجو اور شوق کے طفیل میں عظمت حاصل کی جو کسی رہبر کے بھروسے رہے وہ ناکام ہوئے:

خود سر تھے جس قدر سرِ منزل پہنچ گئے — ہم آج تک ہیں راہ میں رہبر لئے ہوئے

"تلاش حسن" بجائے خود ایک آدرش ہے کسی ایک مرکز پر رک جانا گویا اس کی موت ہے:

تلاشِ حسن میں جو دل کسی منزل پہ رک جائے — اسے اہلِ نظر آوارۂ منزل سمجھتے ہیں

بعض خیالات انگریزی شعراء سے ماخوذ معلوم ہوتے ہیں لیکن ان کا پیرایہ بیان اس قدر نفیس اور اعلیٰ ہے کہ میں نہیں سمجھتا اردو میں اس سے بہتر طریقہ پر بھی اظہارِ خیال کیا جا سکتا تھا۔

مشہور مغنیِ حسن و عشق کیٹس کا مشہور شعر ہے:

A thing of beauty is a joy for ever,
Its loveliness increases, it will never pass into nothingness.

جلیل کہتے ہیں:

متاعِ حسن عیشِ جاوداں معلوم ہوتی ہے
تری رونق بہارِ بے خزاں معلوم ہوتی ہے

ڈاکٹر ٹیگور کہتے ہیں:

"اے میرے آقا! میرا تمام دن اس آرزو اور دعا میں صرف ہو جاتا ہے کہ تو رات کے وقت میرے جھونپڑے کو اپنے قدموں سے سرفراز کرے لیکن رات آتی ہے تو میں کانپنے لگتا ہوں کہ کہیں تو واقعی نہ آجائے ......"

جلیل کا شعر ہے:

دعائے وصل کے بعد اب یہ خوف ہے مجھ کو
کہ جذبِ دل کہیں کر دے نہ کامیاب مجھے

کیفیات و تجرباتِ عشق کے اظہار میں کہیں ایسی پتے کی باتیں کہی ہیں کہ داد کے لئے الفاظ نہیں ملتے۔ فراق میں دل کے بہلانے کی صرف ایک صورت ہے یعنی تصوّر کا لطف اٹھایا جائے مگر کثرتِ تکرار سے یہ امید بھی جاتی رہی۔

آنکھوں نے کی ہے مشقِ تصور کی اس قدر
بھولے سے بھی وہ اب نہیں آتے نظر مجھے

ہر چند شب و روز رہی مشقِ تصور
آنکھوں نے مگر وہ رُخِ تاباں نہیں دیکھا

عشق کی عالی حوصلگی سمجھتی تھی کہ حُسنِ مطلق صرف اس کے دل کا راز ہے لیکن حسن کے جلوے تمام عالم میں پھیل گئے اور ہر کہ و مہ عشق کا دعویدار بننے لگا جس سے عشق کو

شرمندگی ہے۔

سمجھا تھا اس کو اب تک اپنے حریمِ دل میں
شرمندہ ہوں سنا ہے جب سے وہ چار سو ہے

عام عشاق کے نزدیک قربِ وصت دل کی تسلّی کا باعث ہے لیکن سچّے عاشق کو اس سے بھی تسکین نہیں:

دل سمجھتا تھا ترے قرب سے ہو گی تسکیں
اشکِ خوں آج بھی اس دیدۂ تر سے نکلے

غرض کہ جلیل کے کلام میں اسی طرح نہ معلوم کتنے محاسن ہیں جن کے بیان میں صفحے کے صفحے رنگے جا سکتے ہیں۔ میں نے بہت مختصر وقت میں اور بہت مختصر طور پر اُن کی شاعری کی خصوصیات بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ مجھے اُمید ہے ناظرین کو اس مجموعہ میں اس سے زیادہ لطفِ ذوق کا سامان ملے گا! اور وہ انصاف کر سکیں گے کہ جلیل کا یہ قول کہ وہ شاعر نہیں کہاں تک صحیح ہے۔ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ اُن کا کلام معائب سے پاک نہیں ہے اور کلامِ الٰہی کے سوا کس شاعر کا کلام نقایص سے مبرّا ملے گا لیکن جلیل کی روزانہ کی زندگی کو ذہن میں رکھئے دن بھر دفتر میں بیٹھ کر دفتری کاغذات سے سر کھپانا! ایک بالکل مختلف ماحول و ذہنیت میں رہنا اور وہاں سے خستہ ہو کر گھر واپس آنا ان حالات میں جو شخص اپنے ادبی ذوق کی اس قدر سیوا کرے وہ یقیناً مبارکباد اور حوصلہ افزائی کا مستحق ہے۔ ایسی فضا میں رہنے کے باوجود جو شخص ادب سے شفتگی اور لگاؤ رکھنے میں کامیاب ہو اس کی قوتِ ارادی یقیناً رشک کے قابل ہے۔ خدا کرے جلیل عرصہ دراز تک زندہ رہیں اور انھیں ایسے مواقع مل سکیں کہ وہ اپنے ذوقِ ادب کی اس سے بہتر آبیاری کر سکیں اور اپنے کلام سے تادیر اردو کو مالامال کریں۔ آمین

عبدالشکور

نظمیں

حسرت موہانی

اے وہ کہ ترے سخن نے کی ہو
غمازیِ سوزشِ نہانی

تیری جوئے سخن سے اُبلا
سرچشمۂ بادہ جوانی

پژمردہ رگوں میں ہو تری خون
اور خون میں گرمی و روانی

صحرا کو بنا دیا ہے گل زار
اللہ رے تیری خوں فشانی

تو رمز شناسِ عاشقی ہے
ہے درد بھری تری کہانی

ہر نقش میں زخمِ دل ہویدا
اللہ رے سوزشِ نہانی

نغموں میں بھی اک تڑپ ہے پیدا
اللہ رے ترا غمِ نہانی

تیرے ہر شعر میں ہے پنہاں
پیغامِ حیاتِ جاودانی

نالوں میں ترے نہ کیوں اثر ہو
ہے داغِ جگر کی یہ نشانی

تیری رنگینیوں میں پنہاں
اندازِ نظیری و فغانی

تیری صنّاعیوں کے آگے
وہم باطل ہے نقشِ مانی

اس ملکِ سخن میں تو ہے یکتا
اردو میں ہے کون تیرا ثانی

اس دل کو ترے سخن کی گرمی
ہے ماحصلِ حیاتِ فانی

اربابِ کمال میں تری قدر
افسوس یہ ہے کہ کم نے جانی

ناقدر شناس ہند میں کون
سنتا ترے درد کی کہانی

بے حس ہے ابھی فضائے اردو
ہو گی کبھی تیری قدر دانی

تو خلدِ بریں کا میہماں ہے — ہوگی وہیں تیری میہمانی

کیوں چپ ہے تو بہت دنوں سے؟ — اے طوطیِ گلشنِ معانی!
پھر روح کو محوِ ساز کردے — پھر چھیڑ کوئی نئی کہانی
ہو جائیں دلوں سے دور صدمے
خاموش فضا میں بھر دے نغمے

مولانا شررؔ کا مرثیہ

قیدِ غم سے چھُٹ گئی روحِ روانِ عندلیب — شاخِ گل پر جسم ہے اب اور نہ جانِ عندلیب
ختم حسن و عاشقی کے سارے چرچے ہوگئے — باغ میں سونا پڑا ہے آشیانِ عندلیب
محفلیں تھیں جس جگہ کل نغمۂ جاں سوز کی — آج روتے ہیں وہاں پر نوحہ خوانِ عندلیب
شاہدِ گل ہے نہ بلبل ہے نہ ہے فصلِ بہار — رہ گئی صحنِ چمن میں داستانِ عندلیب
زیرِ مشتِ خاک آسودہ ہوئی وہ روحِ پاک — لائیں اب اُس کو کہاں سے عاشقانِ عندلیب
گو چمن میں اور بھی ہیں طائرانِ خوش نوا — لائے گا کیوں کر کوئی طرزِ بیانِ عندلیب
ہر لبِ اعجاز میں ہے بادۂ نورس کا جام — اب نہ وہ مے ہے نہ وہ پیرِ مغانِ عندلیب
نثر میں ہے کس کی ایسی شستگی، پاکیزگی — کِس کے مُنہ میں بولتی ہے یوں زبانِ عندلیب
شاعروں میں کون ایسا ہے یہ بتلائے کوئی — جس کے اندازِ سخن پر ہو گمانِ عندلیب

لائی جائیں گی زباں میں شوخیاں موسیقیاں — اب کرے گا کون تقلیدِ بیانِ عندلیب
لکھنؤ میں اک دکاں باقی تھی علم و فضل کی — ہوگئی بند آج وہ بھی اک دکانِ عندلیب

کس کے آگے جا کے اب تحقیقِ معنیٰ کیجئے؟
کس کے برتے پر زباں دانی کا دعویٰ کیجئے؟

وہ شررؔ جس نے زباں سے دور کیں آلائشیں — جس نے اردو میں نکالیں اس قدر گنجائشیں
وہ شررؔ جس نے زباں میں روح تازہ پھونک دی — جس کے اندازِ سخن پر ختم تھیں آرائشیں،
وہ زباں جو تنگ تھی اظہارِ مطلب کے لئے — اُس نے وسعت اس کو بخشی، اس نے دیں افزائشیں
گیسوئے اردو جو گیسوئے پریشاں حال تھے — اُس نے یہ گیسو سنوارے، اس نے کیں آرائشیں
گیسوئے اردو جو بے رونق تھے اور تاریک تھے — اُس نے افشاں ان پہ چھڑکی، اس نے دیں زیبائشیں
وہ زمینِ خشک جو ویراں پڑی تھی دیر سے — اُس نے گل بوٹے کھلا کر اُس پہ کیں آرائشیں
اُس نے اپنے فیض سے قطرے کو دریا کر دیا — اُس سے پہلے تھیں کہاں اردو میں یہ گنجائشیں
جیتے جی اپنی زباں کا اُس کو ایسا غم رہا — خدمتِ اردو میں کر دیں صرف سب آسائشیں

آج وہ اک گوشۂ مرقد سے ہم آغوش ہے
آہ! ایسا عندلیبِ خوش بیاں خاموش ہے!

کس طرح بھولے کوئی وہ داستانِ عندلیب — جس پہ برسوں روئے چشمِ خوں چکانِ عندلیب
باغ سے گو مٹ گیا نام و نشانِ عندلیب — ہر لبِ گل پر ہے لیکن داستانِ عندلیب
خدمتِ اردو کا پیدا پھر نیا اک جوش ہے — صبح ہوگی بعد از خوابِ گرانِ عندلیب
کر رہی ہے انجمن[1] قایم جو اُس کی یادگار — باغ میں رہ جائے گا نام و نشانِ عندلیب

---

[1] اشارہ ہے اُن تین انعاموں کی طرف جو انجمن ترقی اردو نے بطور "یادگارِ شررؔ" قایم کیے۔

کوئی کہتا تھا ابھی جاری رہے گا دلگداز[1]   ہو یہ سچ، تو ہے یہی کافی نشانِ عندلیب
لکھنؤ میں بیٹھ کر ناول[2] لکھیں گے پریم چند   حشر تک تازہ رہے گی داستانِ عندلیب
صاف اور سادہ لکھیں گے نثر عشرت لکھنوی   خوب ہیں وہ واقفِ طرزِ بیانِ عندلیب
ہیں یہی وہ ایک جن سے لکھنؤ کا نام ہے   ہیں یہی وہ ایک گردِ کاروانِ عندلیب
دیکھنا ہیں جذبۂ خدمت تری بیداریاں   دیکھ پیچھے رہ نہ جائیں ہمزبانِ عندلیب
ہاں نہ ہو محسوس بلبل کی کمی اے دوستو!   دیکھنا سونا نہ ہو یہ گلستانِ عندلیب

"گیسوئے اردو ابھی منت پذیرِ شانہ ہے
شمع یہ سودائیِ دلسوزیِ پروانہ ہے"

خدا حافظ سجّاد![3]

خدا حافظ ترا اے یارِ جانی   تجھی سے تھی بہارِ زندگانی
برابر دل کو یاد آتی رہے گی   وہ تیری مرحمت وہ مہربانی
وہ اہلِ دل سے تیرا لطف و اخلاص   ادب اور علم کی وہ قدردانی
میں کیا تھا اک گدائے بے نوا تھا (ق)   مگر کی تو نے ایسی قدردانی
کہ تیری صحبتوں کے دم سے میں نے   غمِ ہستی کی صورت بھی نہ جانی

---

[1] مولانا شرر مرحوم کا پرچہ۔
[2] "چوگانِ ہستی" مصنفۂ آں موصوف۔
[3] سیّد سجّاد حیدر یلدرم۔

خیال و خواب ہیں اب اگلے قصّے — زباں پر ہے فقط اُن کی کہانی
نہ ہو جب تو علی گڑھ میں تو پھر کیا — ترے دم سے تھا لطفِ زندگانی
نہ دل میں کام کا اب حوصلہ ہے — نہ سر میں ہے وہ سودائے جوانی
یہ پہلو میں جو ہے اک داغِ حسرت
ہے اگلی صحبتوں کی یہ نشانی

بی امّاں

ناز ہے قدرتِ صانع کو تری ہستی پر — رشک کرتا ہے ترے سوزِ محبّت پہ شرر
جس پہ قرباں ہوں سو زیست عدم تیرا ہے — جس پہ چلتا ہے جہاں نقشِ قدم تیرا ہے
تیری تعمیر میں سرمایۂ غیرت پنہاں — تیری فطرت میں اک احساسِ حمیّت پنہاں
درسِ ایثار کچھ اس طرح پڑھایا تو نے — ایک عالم کو رہِ حق پہ لگایا تو نے
زندگی تیری صداقت کا اک افسانہ ہے — جو نہ سمجھے تری تعلیم کو دیوانہ ہے
ہر روشِ دہر کی پیغامِ اجل دیتی ہے — زندگی تیری یہ تعلیم عمل دیتی ہے
زندگی نذرِ رہِ ملّتِ بیضا کر دے
ذرّۂ خاک کو ہمدوشِ ثریّا کر دے
آنکھ نے چوٹ ہے گو نشترِ غم کی کھائی — دیدۂ دل نہیں شرمندۂ نابینائی
نورِ حق دیکھتا ہوں خاک میں تیری مستور — جس کے ہر ذرّہ میں ہے روشنیٔ جلوۂ طور

خاک میں ہمتِ پرواز ابھی باقی ہے — اُڑ کے ہر بار سوئے عرشِ بریں جاتی ہے
ذرّے جب شدتِ انوار سے تھرّاتے ہیں
دامنِ نبتِ ہمیر سے لپٹ جاتے ہیں

زاہدہ!

(اپنی ہفت سالہ بھتیجی کی نذر)

زاہدہ! تو سر بہ سر اک پیکرِ اخلاص ہے — گود میں آ بیٹھنا تیری ادائے خاص ہے
تو ہنساتی ہے مجھے مغموم و تنہا دیکھ کر — بھول جاتا ہوں غمِ دل تجھ کو ہنستا دیکھ کر
وہ ترا رہ رہ کے مجھ سے پوچھنا ہر بات کا — اور بتانے میں وہ میرا روکنا جذبات کا
چپکے چپکے مجھ سے کچھ کہہ کر وہ زیرِ لب ہنسی — سچ بتا سیکھی ہے کس سے یہ ادائے دلبری
کس چمن کا روپ ہے، کس دیس کا یہ آبِ رنگ — دیکھ کر صورت کو تیری عقلِ انسانی ہے دنگ
سادگی ہے تیری نظروں میں مروّت دل میں ہے — اس دلِ مایوس کی تسکیں اسی منزل میں ہے

اشکِ غم سے دور، دردِ ہجر کے نالوں سے دور — اپنے پیاروں، اپنے سارے چاہنے والوں سے دور
دور سب احباب سے اس شہرِ غم آباد[لہ] میں — ایک گوشے میں پڑا ہوں محو تیری یاد میں

لہ باوجود میری انتہائی عقیدت کے مجھے علی گڑھ نے ہمیشہ اپنے چہرۂ خشیں ہی کی زیارت کرائی۔

تو کلی ہے گر تو میں اِک بلبلِ مہجور ہوں
جس چمن[۱] میں کھِل رہی ہے تو میں اس سے دور ہوں

دور رہ کر مجھ سے کتنا مجھ کو تڑپاتی ہے تو
تجھ کو مدّت سے نہیں دیکھا ہے، یاد آتی ہے تو

خوب ہیں تیری ادائیں دل لُبھانے کے لیے
مضطرب ہوں تجھ کو سینے سے لگانے کے لیے

تو شگفتہ پھول! آ، آنکھوں میں میری کھُب کے بیٹھ
پردۂ دل میں نہاں ہو، دردِ دل میں چھُپ کے بیٹھ

ہاں، مری تخئیل تیری یاد سے معمور ہے
میرے دل سے تو بہت نزدیک ہے گو دور ہے!

زاہدہ ایک مرتبہ پھر!

زاہدہ تجھ کو کلیجے میں بٹھالوں کیوں کر
سخت مشکل ہے کہ حسرت یہ نکالوں کیوں کر

دل کی خواہش تو یہ ہے تجھ کو جگہ دوں دل میں
صرف سینہ سے تجھے اپنے لگالوں کیوں کر

اس طرح پر کہ سوا میرے کوئی دیکھ نہ پائے
پردۂ دل میں تجھے اپنے چھُپالوں کیوں کر

ایک لحظہ بھی نہ تو مجھ سے جُدا ہو سکتی
اس طرح کی کوئی تدبیر نکالوں کیوں کر

تیری اُلفت کا جو یہ داغ لیے ہوں دل پر
سچ تو یہ ہے کہ عجب باغ لیے ہوں دل پر

---

۱ میرا چھوٹا سا ویران سا وطن، اناؤ۔

ایک تتلی سے

(ماخوذ از ورڈ سورتھ)

آدھ گھنٹے سے دیکھتا ہوں تجھے
سامنے زرد پھول پر بیٹھے

کتنی مخمور تو ہے اے تتلی!
جیسے پی لی ہو تونے مَے تتلی

کس لئے تھم کے رہ گئی ہے تو؟
پھول پر جم کے رہ گئی ہے تو

آبِ دریا بھی تھم نہیں سکتا
اس سے بڑھ کر بھی جم نہیں سکتا

پھول کے رس کو پی رہی ہے تو؟
یا گلے مل کے سو گئی ہے تو؟

میں سمجھتا ہوں لگ گئی ہے آنکھ
بیٹھے بیٹھے جھپک گئی ہے آنکھ

اور اگر یاں کہیں نسیم آجائے
تیرے اس خواب کا پتہ پاجائے

ٹھنڈی سانسوں سے گدگدائے گی
چپکے چپکے تجھے جگائے گی

اپنی آغوش میں اٹھا کے تجھے
دامنِ شوق میں چھپا کے تجھے

چھوڑ دے گی ہوا میں لے جا کر
بھینی بھینی فضا میں لے جا کر

باغ کی یہ زمیں ہماری ہے
اور ہم کو بہت پیاری ہے

اس چمن کے درخت میرے ہیں
پھول بوٹے مری بہن کے ہیں

تو یہاں روز یوں ہی آیا کر
بے خطر شاخِ گل پہ بیٹھا کر

اڑتے اڑتے کبھی جو تھک جانا
دامنِ برگِ گل پہ ستانا

کسی آزار کا تو خوف نہ کر
بے تکلف تو بیٹھ پھولوں پر

بیٹھ کر یاں کرینگے ہم باتیں
مل کے دونوں سنیں گے ہم باتیں

ہم بتائیں گے تجھ کو دُکھ اپنا
اور تجھ سے سنیں گے سُکھ تیرا

ذکر پھر ہوگا اُس زمانے کا
جب نمونہ تھی عیش کا دنیا

آہ، وہ ابتدائے عمر وہ سن
وہ امنگوں کے سال و ماہ، وہ دن

ہر گھڑی قہقہے وہ بچپن کے
روز و شب چہچہے لڑکپن کے

آج کی کچھ خبر نہ کل کا خیال
زندگی کا نہ کچھ اجل کا خیال

اور طولانی تھے وہ دن ایسے
آج کل کے ہوں ہیں دن جیسے

آہ! وہ دن کہاں، وہ رات کہاں!
اپنے جینے میں اب وہ بات کہاں!

عاشق کی التجا

(ماخوذ از انگریزی)

اس عاشقِ بے تاب کو
غم میں سسکتا چھوڑ کر

اس دیدۂ پُر آب کو
یوں ہی بلکتا چھوڑ کر

سچ مچ چلی جائے گی تو؟
اب پھر نہیں آئے گی تو؟

کہدے نہیں، کہدے نہیں!

اور آہ کیا تو جائے گی — اس دل کو تنہا چھوڑ کر
جس کی ہی تجھ سے زندگی — تجھ بن ہے جو شمعِ سحر
جو تجھ پہ ہی ہر دم فدا — پڑھتا ہی جو کلمہ ترا

کہدے نہیں، کہدے نہیں!

ہی آنکھ میں جلوہ ترا — اور دل کو تجھ سے کام ہے
اس سر میں ہے سودا ترا — اور لب پہ تیرا نام ہے
تیری قسم مجھ کو کہیں — بھاتا نہیں کوئی حسیں

کہدے نہیں، کہدے نہیں!

ہاں مان جا میرا کہا — بیکار کیوں بدنام ہو
میرے غم و اندوہ کا — کیوں تجھ پہ کچھ الزام ہو
میری وفا کو جان کر — اپنی جفا کو مان کر

کہدے نہیں، کہدے نہیں!

تکیہ

(ایک فرمایش کی یادگار)

گودیں لیتے ہیں تجھ کو اہلِ محفل کِس لئے؟
سر جُھکا دیتے ہیں تجھ پر صاحبِ دل کِس لئے؟

بسترِ غم پر عجب حالت ہے اک بیمار کی
کوئی صورت ہی نہیں تسکینِ قلبِ زار کی

کھل گئی ہے آنکھ اُس کی درد کی تکلیف سے
بڑھ گیا ہے دردِ آہِ سرد کی تکلیف سے

ڈالتا ہے ہر طرف اک یاس و حسرت کی نظر
کوئی اطمینان کی صورت نہیں آتی نظر

چہرۂ مایوس سے ہے حالتِ دل آشکار
ڈھونڈتا ہے سخت بے چینی سے تجھکو بار بار

شب کی تنہائی میں جسدم تجھکو پالیتا ہے وہ
شوق سے اپنے کلیجے سے لگا لیتا ہے وہ

تو نہ ہو تو خاطرِ ناشاد کا کوئی نہ ہو!
قلب میں قوت نہ ہو، قوت میں یکسوئی نہ ہو

حُسنِ خدمت میں ترے بیشک نہیں کوئی کلام
کیسی راحت تو نے دی ہے شام سے تا صبح شام

آہ، اے تکیے! قرارِ سینۂ سوزاں ہے تو
درد ہے پہلو میں میرے، درد کا درماں ہے تو

تیری تیاری میں آئے کام دستِ نازنیں
تو سرورِ جاں ہے تیری منزلت میں شک نہیں

تو لطیفہ ہے کسی کی قوتِ اعجاز کا
دلکشی میں تیری اک پرتو ہے روئے ناز کا

گود میں لیتے ہیں تجھ کو اہلِ محفل اس لیے!
سر جھکا دیتے ہیں تجھ پر صاحبِ دل اس لیے!

سر کے نیچے رکھ کے میں کیوں کر تیری وقعت کروں
آ، لگا کر تجھ کو سینے سے علاجِ غم کروں

بہاریہ ترانہ

لو صحنِ گلستاں میں پھر بادِ بہار آئی
ہر غنچۂ افسردہ ہے محوِ خود آرائی

پھر جوششِ مسرت سے ہے رقص رگِ جاں میں
اک مژدۂ روحانی پھر بادِ صبا لائی

غنچوں پہ تبسم ہے، نغموں میں ترنم ہے — پھر محفلِ برہم میں اک جان نئی آئی
معمور فضائیں ہیں، مسرور ہوائیں ہیں — اک نورِ تبسم میں ڈوبے ہیں تمنائی
اربابِ محبت کو پیغامِ مسرت ہے — مخمورِ تماشا ہے ہر چشمِ تماشائی
سرشار ہیں دل سب کے مینائے محبت سے — ہے چار طرف چھایا اک نشۂ صہبائی
پھر آہ نکلتی ہے شادابِ اثر ہو کر — پھر جامِ تمنا میں اک لہر نئی آئی

کچھ ذہن میں ندرت ہے کچھ جوشِ طبیعت ہے
ہے وجد میں شاعر کی خود طاقتِ گویائی

ابرِ بہار

اُٹھ رہی ہے سمتِ مشرق سے گھٹا مستانہ وار — پھیلتا جاتا ہے تا حدِ نظر ابرِ بہار
چھپ رہا ہے پردۂ ابرِ سیہ میں آسماں — چل رہی ہے کوہساروں میں ہوائے خوشگوار
وادیوں میں ہر طرف چھائی ہوئی ہے خامشی — کس قدر وجد آفریں ہے یہ سکوتِ کوہسار
جلوہ دکھلاتی ہے اپنا زیرِ دامانِ سحاب — نو عروسِ برق یعنی دخترِ ابرِ بہار
ذرہ ذرہ میں نظر آنے لگی ہے تازگی — انبساطِ روح سے لہرا رہا ہے سبزہ زار
کالی کالی یہ گھٹائیں، مخرجِ آبِ رواں — بھینی بھینی یہ فضائیں مایۂ صبر و قرار
طائرانِ خوش نوا پیغامِ آزادی لیے — اُڑتے پھرتے ہیں ہوا میں ہر طرف مستانہ وار
نغمہ ہائے سرمدی جو دل میں ہیں اُن کے بھرے — ہیں نکلنے کے لیے سینوں سے اُن کے بیقرار
بارشِ ابرِ کرم سے یہ فضائے کائنات — دیکھتے ہی دیکھتے ہو جائے گی جب لالہ زار

شور سے اُس دم اُٹھا لیں گے یہ سر پر آسماں
دم زدن میں ٹوٹ جائے گا سکوتِ کوہسار

ہو گئی محمل نشیں پھر دل میں یادِ روئے دوست
پھر رواں ہونے کو ہے آنکھوں سے اپنی آبشار

پھر ہوا لانے لگی خوشبوئے زلفِ عنبریں
دل سے پھر اُٹھنے لگا رنج و الم کا اک غبار

آنکھ ہے لبریز فرطِ اشتیاقِ دید سے
منتظر ہے پھر کسی کا یہ دلِ اُمیدوار

موجۂ بادِ بہاری گو سبک رفتار ہے
چھیڑ سے اس کی مگر ہوتا ہے دل کو انتشار

آہ! یہ دل بھی کبھی تھا باریابِ بزمِ دوست
ان مناظر کی کبھی لوٹی تھی اس نے بھی بہار

اب نہیں افسوس حاصل دل کو عیشِ قربِ دوست
اب نہیں دل کو ذرا تابِ خلش ہائے بہار

آرزو ہے، دل کی کھیتی بھی کبھی سرسبز ہو
گلشنِ حسرت میں بھی لے کاش آ جائے بہار

اپنے دل سے بھی کبھی ایسی اُٹھے کوئی گھٹا
جس سے کم ہو جائے کچھ میرے غمِ الفت کا بار

سینۂ سوزاں میں بھی بجلی چمک اُٹھے کبھی
اس سیہ خانے سے بھی اُڑنے لگیں غم کے شرار

کاش میرا طائرِ دل بھی صدا دینے لگے
ہو کبھی میرا بھی ظلمت خانۂ دل مرغزار

بوئے الفت سے مرا سینہ بھی بس جائے کبھی
کاش دل کی بھی گھٹا یارب برس جائے کبھی

برکھا رُت

آئی ہیں گھِر گھِر کالی گھٹائیں
چلتی ہیں ہر سو ٹھنڈی ہوائیں

سورج نے ہے منہ کو چھپایا | برکھا نے گرمی کو بھگایا
گرمی سے رہتے تھے پریشاں | سارے وحش و طیور و انساں
قلب پہ گرمی، تن پہ پسینہ | آتش داں تھا گویا سینہ
پیڑ بھی سارے خشک ہوئے تھے | پتے بھی سب زرد پڑے تھے
کھیتوں میں تھی اک ویرانی | سب کرتے تھے "پانی پانی"

کل تک تو تھا ایسا نقشا | رات سے لیکن حال ہے بدلا
پورب میں اک شور ہے برپا | "پچھم سے ہے پانی اٹھا"

اٹھے کالے کالے بادل | ایسے کالے جیسے کاجل
گھر گھر آیا، کم کم برسا | پانی چھم چھم، چھم چھم برسا
سبزہ ہوا میں لہراتا ہے | فرش پہ موتی بکھراتا ہے
پیڑ نہا دھو کر نکھرے ہیں | پہنے کپڑے سبز کھڑے ہیں
سارے میدان کھیت اور جنگل | برکھا میں سب ہو گئے جل تھل
ندی نالے خوب چڑھے ہیں | دریاؤں کے پاٹ بڑھے ہیں
کھیت بھی سب سرسبز ہوئے ہیں | ہر سو پانی کے جلوے ہیں
پانی کا سکہ ہے جاری | قدرت کی دیکھو گل کاری
مخمل کے ہیں فرش بچھائے | شبنم کے موتی بکھرائے
کھیتوں میں ہیں جاری نہریں | نہروں میں اٹھتی ہیں لہریں

سب نے مل کر ساون گایا — جھولے والا موسم آیا

باغ میں پریاں جھول رہی ہیں — حسن پہ اپنے پھول رہی ہیں

دھانی ساڑی، اونچا دامن — ترچھی نظریں، تیکھی چتون

نین رسیلے، چھب متوالی — ہنسی انوکھی، بات نرالی

بڑھے ہوئے ہیں پینگ ہوا میں — دوڑ رہی ہے برق فضا میں

گاتی ہیں کیسی کیسی ملاریں — پڑتی ہیں ٹھنڈی ٹھنڈی پھواریں

کوئی ہے شوخی سے اٹھلاتی — جھک جھک کر ہے پینگ بڑھاتی

سر سے وہ آنچل کا ڈھل جانا — شرما کر وہ سر کو جھکانا

ایک ہے کس انداز سے ہنستی — ٹپک رہی ہے آنکھ سے مستی

عشق و محبت کی وہ گھاتیں — آنکھوں ہی آنکھوں میں سب باتیں

ایک ہے فرقت میں غم کھاتی — درد بھری لَے میں ہے گاتی

برکھا آئی پیا نہ آئے — بدری چھائی پیا نہ آئے

سونی سیجیا جرا نہ بھاوے — دامن دہکے، جیا جراوے

کوئل بولے برہی بانی — کون سُنے یہ رام کہانی

برکھا آئی آئے نہ سیّاں — کون جتن اب کروں میں گوئیاں

سن لے کالے کالے بادل — جل داتا، متوالے بادل

میری طرح تو کیوں ہے روتا ۔۔۔ کس کے لیے ہے جان کو کھوتا

تو بھی ہے کیا اس کا شیدائی ۔۔۔ جس نے کیا مجھ کو سودائی

تو بھی ہے کیا دل دادۂ الفت ۔۔۔ میری طرح پابندِ مصیبت

آ، ہم دونوں مل کر روئیں

خود ڈوبیں، دنیا کو ڈبوئیں

غزلیں

مانوسِ اضطراب تھا وقفِ گداز تھا — یہ دل ازل سے نذرِ ستم ہائے ناز تھا
میں محوِ اصل تھا نہ اسیرِ مجاز تھا — اک راز تھا کہ محوِ تماشائے راز تھا
جس وقت میرے سامنے وہ مستِ ناز تھا — آنکھوں میں اک سرور جگر میں گداز تھا
آگاہ خود نہ اپنی حقیقت سے ہو سکا — میں بھی عجیب عالمِ ہستی کا راز تھا
لرزش میں جس کے نور سے تھی ساری کائنات — وہ دل میں اپنے بن کے غمِ جاں گداز تھا
دل نے تڑپ کے کر دئیے طے سارے مرحلے — میں مبتلائے کشمکشِ ضبطِ راز تھا
قسمت سے اپنی خاک بسر ہے وہ آج کل — وہ دل جو باریابِ شبستانِ ناز تھا
مر کر بھی کشمکش سے فراغت نہ مل سکی
کتنا جلیل سلسلۂ غم دراز تھا

کھل جائے ابھی راز تری جلوہ گری کا — پردہ جو اٹھا دوں میں جمال نظری کا
وحشت میں نہیں ہوش مجھے جلبہ دری کا — دیکھے کوئی انداز مری بے خبری کا
دم بھر میں کیا رازِ محبت سے خبردار — قائل ہوں بہت آپ کی جادو نظری کا
پھر آج ہے اک لطفِ خلش دل کو میسر — ہر سانس میں اعجاز ہے بادِ سحری کا
اللہ ری تری شوخیِ رفتار کا عالم! — انداز ہے کل موجِ نسیمِ سحری کا
جب دیکھئے ہے پیشِ نظر و رُخِ انور — احسان بہت مجھ پہ ہے دردِ جگری کا
آغاز میں آتی ہے نظر سرحدِ کونین — کیا جانئے انجام ہو کیا بے خبری کا

بادِ سحری کے لیے پیغام تھا گل کا — گل کے لیے پیغام تھا بادِ سحری کا
ظاہر میں تو ہوں شاد مگر شعر سے میرے — چلتا ہے پتہ کچھ مری حرماں نظری کا

آزاد ہے ہر قید سے پروازِ محبت
بیکار جلیل عذر ہے بے بال و پری کا

آج یوں نالۂ غمِ عشق نے آغاز کیا — حسن کو بھی ہمہ تن گوش بر آواز کیا
تو نے یہ طرفہ ستم اے نگہِ ناز کیا — دل میں اک سوز تھا پہلے اسے اب ساز کیا
دل نے آغاز جو اک نغمۂ بے ساز کیا — سازِ نیرنگیِ فطرت کو ہم آواز کیا
خانۂ دل میں وہ آئے تو یہ اعجاز کیا — جسمِ بے روح کو سرمست و سرافراز کیا
تو نے یہ کام عجب اے نگہِ ناز کیا — طائرِ ہوش کو آمادۂ پرواز کیا
ہے وہی میرے لیے حاصلِ یک عمرِ وفا — تم نے جو جرمِ محبت نظر انداز کیا
دل نے اُس نیم نگاہی کا اشارہ پا کر — روح کو غرقِ نگاہِ غلط انداز کیا
دستِ قدرت نے وہیں اپنی نکالی مقراض — گلشنِ دہر میں جس گل نے ذرا ناز کیا
میں وہ بلبل ہوں کہ جب میں نے قفس کو چھوڑا — رُخ پھر اس سمت نہ میں نے دمِ پرواز کیا

کام دشوار تھا اُس شوخ کی الفت کا جلیل
تو نے اس کو مگر اے عاشقِ جاں باز کیا

گلشن نہیں دیکھے کہ بیاباں نہیں دیکھا — تجھ سا کوئی اے رشکِ گلستاں نہیں دیکھا
ہر حال میں ممنون ہے وہ تیرے کرم کا — دیوانہ کو تیرے کبھی گریاں نہیں دیکھا

تھی شاق دمِ قید جو گلشن سے جدائی
منہ پھیر کے بھی میں نے گلستاں نہیں دیکھا
ہر چند شب و روز رہی مشقِ تصور
آنکھوں نے مگر وہ رخِ تاباں نہیں دیکھا
کس درجہ وہ مجبور بھی ہے رحم کے قابل
جس کو کہ کسی نے کبھی گریاں نہیں دیکھا
ایسا کہ جسے کفر کا عرفان ہو حاصل
دنیا میں کوئی صاحبِ ایماں نہیں دیکھا
ہونے کو جلیلؔ اور ہیں ناکام ہزاروں
تجھ سا بھی کوئی سوختہ ساماں نہیں دیکھا

دل کی قسمت میں تھا لذت کشِ حرماں ہونا
خون ہو کر بھی نہ زیبِ سرِ مژگاں ہونا
عشق میں راس نہیں صاحبِ ارماں ہونا
شرطِ اوّلی ہے یہاں سوختہ ساماں ہونا
میری نظروں کو ترے حسن پہ حیراں ہونا
شیخ صاحب کو مبارک ہو مسلماں ہونا
وسعتِ دشت نہیں کوئی بہ قدرِ ہمت
چاہیے سینۂ عاشق کو بیاباں ہونا
اللہ اللہ ری مجبوریِ آدابِ جنوں
ہم نے جانا نہ کبھی ہجر میں نالاں ہونا
قتل پر میرے وہ تلوار اٹھانا اُن کا
دل کے سب شکوؤں پہ میرا وہ پشیماں ہونا
حیف اُس ذرۂ خاکِ دلِ عاشق پہ جلیلؔ
جس کی قسمت میں ہو شمعِ شبِ ہجراں ہونا

رنگ اُس شوخ کی صباحت کا
آئنہ ہے ہماری حیرت کا
حال پوچھو نہ شامِ غربت کا
وقت تھا وہ عجب مصیبت کا
رنج و غم کا نہیں ہے کوئی شریک
نام ہی اُٹھ گیا مروّت کا

دیکھتا کیا ہے چارہ گر مجھ کو؟ نقشِ پا ہوں رہِ محبت کا
آج ہوتی ہے دل میں ایک خلش آج کھُلتا ہے رازِ راحت کا
وہ زمیں جس پہ ہیں قدم تیرے ایک تختہ ہے باغِ جنت کا
لب پہ آئے ترے جو حرفِ سخن ایک دفتر ہے وہ فصاحت کا
کیسا ویرانہ، کیسی آبادی؟ اقتضا اور کچھ ہے وحشت کا
عمر ساری ملال میں گذری اللہ اللہ! فریب راحت کا
ہو گیا کل جہان پردۂ راز یہ اثر میری چشمِ حیرت کا!
بجھ گئے دل کے ولولے سارے پھول مرجھا گیا محبت کا
ہر طرف چھا رہی ہے خاموشی نزع میں ہے مریضِ الفت کا

دل لگا کر جلیل یہ پایا
کوئی پرساں نہیں محبت کا

یہی تو نکلا جو اُلجھنوں کا دلوں کی کوئی جواب نکلا
ہماری ہستی تھی اک فسانہ، فسانہ جو تھا سو خواب نکلا
اُدھر ہے سرگرمیِ تغافل، اِدھر ہوا اک ذوقِ سرفروشی
وہ حُسن کی ایک فصل نکلی، یہ عشق کا ایک باب نکلا
اک آگ سی دل میں لگ گئی تھی، دھواں سا کچھ رہ گیا تھا اُٹھ کر
فراق کی رات دل کا گھُٹ گھُٹ کے اس طرح پیچ و تاب نکلا
ہمارے حق میں ہیں بے جراحت یہ عشق کے ہیں عجب کرشمے!

کہ دل تو پہلو سے نکلا لیکن نہ دل سے وہ اضطراب نکلا

جو رازِ دنیا سے بے خبر ہے وہی حقیقت میں باخبر ہے
رہا جو اس تجربہ میں ناکام سمجھو وہ کامیاب نکلا

ہزار افسوس دیدۂ کور پہ کہ اک بار بھی نہ دیکھا
وہ لاکھ بن بن کے چاند سورج فلک پہ گو بے نقاب نکلا

سنا ہے قیدِ حیات سے چھٹ گیا غریب آج شکر صد شکر
کشاکشِ غم سے بعدِ مدت جلیلؔ خانہ خراب نکلا

جب سے وہ شوخ مائلِ جور و جفا ہوا
کچھ اپنی زندگی کا مجھے آسرا ہوا

حاصل تھا جو سکون و فراغت کبھی مجھے
اے گردشِ زمانہ بتا تو وہ کیا ہوا

ڈر ہے یہ آرزو بھی نہ مل جائے خاک میں
پھر دلکو عرضِ حال کا کچھ حوصلا ہوا

اس بیخودیِ عشق پہ اپنی مجھے ہے ناز
جو کہہ دیا کسی نے مرا مدعا ہوا

تیری جفا نے ضبط کا خوگر بنا دیا
تیرے ستم سے لطفِ تمنا سوا ہوا

بستر پہ یوں جلیلؔ نے کل رات جان دی
سو جائے جس طرح کوئی غم سے تھکا ہوا

کام مشکل تھا بہت ہم نے مگر کام کیا
ہو کے بدنام محبت میں بڑا نام کیا

عشق کی راہ میں عشاق نے جو کام کیا
اُس کو اک خاص سلیقہ سے سر انجام کیا

ہوں وہ خود دار کہ با وصفِ کشاکش میں نے
تیرا شکوہ نہ کبھی گردشِ ایام کیا

تھی تو پہلے بھی یہ دنیا میں ولے تھی محدود
ہم نے اِس رسم محبت کو مگر عام کیا
سخت مشکل سے بھلائی تھی رخِ یار کی یاد
پیش نظروں نے پھر اک رُوئے دل آرام کیا
حُسنِ بربادیِ دل دیکھ نہ پائے احباب
جذبۂ عشق کو بیکار میں بد نام کیا
ٹوٹ جائیں گے ذرا دیر میں حلقے سارے
ایک نالہ بھی اگر میں نے تہِ دام کیا
دل میں اُس حسن کی جب شمع فروزاں دیکھی
گُل چراغِ شبِ غم ہم نے سرِ شام کیا
وسعتِ کارِ محبت کا بیاں کیا ہو جلیلؔ
کام اتنا تھا کہ دم بھر بھی نہ آرام کیا

اس روزِ بد کا عشق میں کس کو خیال تھا
ایسا خراب کب دلِ مضطر کا حال تھا
اللہ ری چشمِ ناز کی شوخی کا یہ اثر
اٹھی نہ تھی نگاہ کہ دل پائمال تھا
اس طرح اُن سے مل کے میں اب کی جدا ہوا
اُن کو تھا کچھ ملال نہ مجھ کو ملال تھا
رگ رگ میں دل کے دوڑتی پھرتی تھیں بجلیاں
پیشِ نظر ابھی مرے کس کا خیال تھا
تائیدِ حسنِ یار بھی شامل ضرور تھی
اک لحظہ ورنہ عشق میں جینا محال تھا

معلوم نہ تھا مجھ کو انجام محبت کا
روتا ہوں میں لے لے کر اب نام محبت کا
جب سے تری الفت کا سودا ہے مرے سر میں
ہر ذرہ سے سنتا ہوں پیغام محبت کا
رونے سے شبِ غم میں اے دل تجھے کیا حاصل
بیکار ڈبوتا ہے کیوں نام محبت کا

دہر میں تھا میں وہ لذت آشنائے اضطراب — ساز کا نغمہ بھی مجھ کو اک صدائے درد تھا
اس دلِ سوزاں میں تھی اُس وقت بھی الفت کی آگ — جب فضا میں تھا سکوں، جب رنگِ محفل سرد تھا
تھا جمالِ دوست بھی کس درجہ حیرت آفریں — جس نے دیکھا محو تھا جس نے دکھایا فرد تھا

ہر جنبشِ ابرو میں ملا لطفِ قضا کا — خالی نہ گیا وار کوئی تیرِ ادا کا
ہے وجد میں جس سے مری دنیائے تمنا — طالب ہوں اُسی اک نگہِ ہوش ربا کا

دلِ بیتاب کی شکایت کیا — آپ ہی نے اُسے خراب کیا

ابھی پہونچے بھی نہ تھے منزلِ جاناں کے قریب — درد ہونے لگا محسوس رگِ جاں کے قریب
بڑھتی جاتی ہے غمِ عشق کی لذت ہر دم — ہوتا جاتا ہوں میں اس شاہدِ پنہاں کے قریب
ہے یہ کس خوابِ محبت کی الٰہی تعبیر — درد اُٹھتا ہے جو رہ رہ کے رگِ جاں کے قریب
اپنی اس مشقِ تصور کا یہ اللہ رے فیض — آج کل رہتے ہیں وہ میرے دل و جاں کے قریب
زاہد اس شان سے کتنی ہی عبادت کر لے — ہے یہ دشوار کہ ہو منزلِ ایماں کے قریب
دل کے داغوں کے قریں چاہیے اک زخمِ جگر — اک بیاباں بھی ضروری ہے گلستاں کے قریب
آ گیا کس نگہِ ناز کی حُرمت کا خیال — رُک گئے اشک مرے آ کے جو مژگاں کے قریب
اُن کے رُخ پر فقط آرائشِ گیسو ہی نہیں — خال بھی ایک چمکتا ہے زنخداں کے قریب

کس قدر لطف سے کٹتی ہے شبِ ہجر جلیلؔ
دور ہو جاتے ہیں وہ آ کے رگِ جاں کے قریب

کروٹ بدل بدل کے گذاری تمام رات　　　دیکھا نہ تم نے آ کے تماشائے اضطراب

پڑ گئی اُن کی نظر بیگانہ وار　　　دل پہ اب باقی نہیں ہے اختیار

تھا ابھی پیشِ نظر تیرا خیال　　　یا ریاضِ غم میں آئی تھی بہار

آج اُس رُخ پر ز راہِ التفات　　　آ گئی آخر حیا مستانہ وار

مطمئن ہیں، ہو رہے گا کچھ نہ کچھ　　　روئے چلّائے کیوں زار زار

صبر ہی سے گر ہو کچھ حاصل تو پھر　　　صبر ہی کر لے دلِ اُمیدوار

کہہ گئے ہیں وہ تو بیشک آئیں گے　　　مضطرب کیوں ہے دلِ اُمیدوار

قبر میں بھی روح تڑپے گی مری　　　بعد میرے تم نہ ہونا سوگوار

میرا اظہارِ محبت اے جلیلؔ
کس قدر ہوتا ہے اُن کو ناگوار

چشمِ شوق سے پردہ تھا انھیں اگر منظور　　　برگ و گل میں آ بیٹھے کیوں وہ رنگ و بو ہو کر

مٹ چلے ہیں دل سے کچھ کچھ داغ ہائے آرزو　　　پھر چمک اٹھیں نہ اُس ظالم کو ہنستا دیکھ کر

نیرنگیٔ انتظار کب تک؟　　　یہ گریۂ زار زار کب تک؟

تسکین ہی وجہِ راحتِ دل　　　تسکین کا اعتبار کب تک؟

اشکوں پہ ہے اختیار، مانا　　　پر اشکوں پہ اختیار کب تک؟

تیرے حسن و جمال کی تاب — لائیگی یہ جانِ زار کب تک؟
کیوں پھینک نہ دوں جنوں میں یہ بھی — پیراہنِ تار تار کب تک؟
ہم سے یہ نگاہِ کم نگاہی — کب تک اے چشمِ یار کب تک؟
فانی ہے بہارِ باغِ عالم — یہ سبزہ و لالہ زار کب تک؟
ہو جاؤں گا یوں ہی خوگرِ غم — ذکرِ غمِ روزگار کب تک؟
اپنوں نے بھی ساتھ کر دیا ترک — ہوتا کوئی غمگسار کب تک؟
اُف کثرتِ جلوہ ہائے تاباں — دل کرتے نہ ہم نثار کب تک؟
گل نار کرے گا جیب و دامن — یہ دیدۂ اشکبار کب تک؟
اے بے خبرِ حیاتِ جاوید — اس زیست کا اعتبار کب تک؟
گر نور نہیں تو نار ہو جا، — مجموعۂ نور و نار کب تک؟

جاں بر نہ ہوا جلیلؔ غم سے
رہتا وہ بے قرار کب تک؟

آئی عجب شان سے فصلِ بہارِ گل — بھولے ہیں اپنے حسن پہ کیا کیا نگارِ گل
چھیڑا جو وقتِ صبح نسیمِ بہار نے — نکلی حجابِ گل سے عروسِ بہارِ گل
پھر ہو رہا ہے تازہ مذاقِ جنونِ عشق — پھر چل رہی ہے موجِ نسیمِ بہارِ گل
ناکامرانِ عشق تسلی کے واسطے — جاتے ہیں فرطِ شوق میں سوئے دیارِ گل
اللہ رے حسن و عشق کی یہ کامیابیاں — گل محو عندلیب ہے بلبل نثارِ گل
مدت کے بعد آن کے بیٹھی جو عندلیب — فرطِ خوشی سے جھوم گئی شاخسارِ گل

یہ آسمان پر ہیں ستارے جڑے ہوئے — یا تختِ گل پہ ہے چمنِ زرنگارِ گل
جب میرے سوزِ دل کو تسلی نہ دے سکا — پھر کیا کروں میں لیکے یہ جوشِ بہارِ گل

نازاں بہارِ گل پہ نہ ہو اس قدر جلیلؔ
کیا اعتبارِ خندۂ بے اعتبارِ گل

ہر وقت دعائیں ہیں ہر لحظہ مناجاتیں — اُس شاہ سے ہوتی ہیں دن رات یوں ہی باتیں
ادنیٰ سے اشارے میں تھے چاند کے دو ٹکڑے — اک خاک کے پتلے میں اور ایسی کراماتیں
صحرائے عرب میں جب خورشید حرا چمکا — وحدت کی ضیا پھیلی، ظلمت کی گھٹیں راتیں
بلوالو مدینے میں تم اپنے غلاموں کو — مدت سے تمنا ہے ہو جائیں ملاقاتیں
احساس ندامت کا، اقرار محبت کا — بے مایہ ترا مولا، لایا ہے یہ سوغاتیں
اُس وادیٔ بطحا کی وہ نور بھری جھڑیاں — کیا آئیں پسند ہم کو اب ہند کی برساتیں
انعام کی بارش ہے، اکرام کی بخشش ہے — دیوانۂ الفت کی اس درجہ مداراتیں

جب نامِ نبی لیکر محشر میں جلیلؔ آیا
زاہد کو بھی شرم آئی تھیں ایسی مداراتیں

ربط ہے سوزِ عشق اور حسنِ کرشمہ ساز میں — خونِ جگر ہے جلوہ گر سرخیٔ حسنِ ناز میں
دل کا ہر ایک ذرہ ہے محو بیانِ راز میں — بکھری ہے داستانِ غم یوں رہِ سوز و ساز میں
دیکھیے ہو بھی جب قبول جذب تو ہم نے کر دیا — نالۂ دل خراش کو نغمۂ دل نواز میں
پائے جنوں تجھے قسم، ہاں نہ ہو جذبِ شوق کم — دیکھ رُکے نہ اک قدم شاہرہِ نیاز میں

کیفِ نگاہِ چشمِ یار لغزشِ مست کے نثار
تو نے تو روح کھینچ لی بیخودیِ نیاز میں

سوزِ دروں کی اک تپش، ضبطِ جنوں کی اک خلش
مٹ بھی چکے کہیں یہ دل عشق کے سوز و ساز میں

دیکھ کے حسنِ جاں گداز جان لبوں پہ آنہ جائے
آئے نہ وہ خدا کرے میری شبِ دراز میں

ذوقِ نظر تو ہو کہیں راز بھی کھل ہی جائینگے
دیکھ ہی لیں گے اُن کو ہم آئینۂ مجاز میں

کون کہے جلیل کو جور سے کر دیا ہلاک
غیر کو بھی تو کھو دیا ایک نگاہِ ناز میں

کچھ اس طرح سے چھڑے نغمہ ہائے سازِ چمن
سمجھ میں آنے لگے عقدہ ہائے رازِ چمن

ہوئی جو دل کو مرے جستجوئے رازِ چمن
صدائیں دینے لگے پردہ ہائے سازِ چمن

ازل سے عقل ہے محو کشودِ رازِ چمن
اٹھا سکی نہ مگر پردۂ مجازِ چمن

چمن میں کون یہ محوِ خرامِ ناز ہوا
بہارِ صحنِ چمن ہے جو بے نیازِ چمن

خزاں کے رنگ سے مایوس ہو نہ اے بلبل
وہ کارسازِ دو عالم ہے کارسازِ چمن

چھپے ہیں وہ پسِ ہر پردۂ حجابِ نمود
ہے اصل ایک حقیقت ہو یا مجازِ چمن

جہانِ حسن میں کھائی ہیں ٹھوکریں اتنی
تمیزِ دشت ہے باقی نہ امتیازِ چمن،

کہیں حجابِ شہود اور کہیں شہودِ حجاب
عجیب راز و عجب انکشافِ رازِ چمن

جو وہ مغنّیِ فطرت نہیں جلیل تو کون؟
غزل سرا ہے پسِ پردۂ مجازِ چمن

وفا کی رسم نہیں ہے جو ان حسینوں میں
الٰہی دل نہیں رکھتے ہیں کیا یہ سینوں میں

کیا ہے جس نے مرے حالِ دل کو سخت خراب
چمک رہی ہے یہ کیا شے ان آبگینوں میں

کہاں کہاں دلِ صد چاک اشکِ خوں روئے
دبے ہیں سیکڑوں افلاک ان زمینوں میں

غمِ فراق میں حسرت سے یاد آتی ہے
وہ زندگی جو گذاری ہے مہ جبینوں میں

ضیائے برقِ تبسم جو اُن لبوں پر ہے
وہی چمک ہے مری اشک کے نگینوں میں

وہ اُٹھ رہے ہیں سرِ بزمِ عام کچھ کہنے
تڑپ رہے ہیں دلِ بے قرار سینوں میں

جو پونچھتے تھے کبھی اشکِ چشمِ پرنم سے
چھپائے رہتے ہیں نشتر وہ آستینوں میں

صدائیں دیں تو صدا تک نہ آئی قبروں سے
بلا کی نیند ہے اس شہر کے مکینوں میں

اک آہِ سرد میں طے کی وہ راہِ عشق جلیل
جو راہ اوروں سے ہوتی ہے طے مہینوں میں

غمِ دنیا کو اپنی زیست کا حاصل سمجھتے ہیں
یہ وہ عقدہ ہے جس کو صرف اہلِ دل سمجھتے ہیں

ہمارے دل کو تم جس دن سے اپنا دل سمجھتے ہو
اسی دن سے ہم اپنے دل کو اپنا دل سمجھتے ہیں

وفائے یار کا اہلِ وفا میں نام کیا ہوگا
جفا کو جب وفائے یار اہلِ دل سمجھتے ہیں

تلاشِ حسن میں جو دل کسی منزل پہ رک جائے
اسے اہلِ نظر آوارۂ منزل سمجھتے ہیں

ڈرایا اس قدر طوفانِ بحرِ زندگانی نے
کہ ہم ساحل کو بھی موجِ لبِ ساحل سمجھتے ہیں

نہیں ہم رہ روانِ راہِ غربت کی کوئی منزل
بٹھا دے جس جگہ بے چارگی منزل سمجھتے ہیں

گرائیں مجھ کو وہ اپنی نظر سے اُن کی مرضی ہے
مگر جو عشق میں کامل ہیں وہ کامل سمجھتے ہیں

نہیں ہم اہلِ دل کے پاس کچھ دل کے سوا لیکن
یہ وہ شے ہے جسے کونین کا حاصل سمجھتے ہیں

ڈراتی کیا ہے دنیا ہم کو مرگِ ناگہانی سے
اسے تو ہم حدودِ زیست میں داخل سمجھتے ہیں

ہیں مصروفِ عمل تا حدِ امکاں راہِ خدمت میں　　خیالِ حشر کو اندیشۂ باطل سمجھتے ہیں

جلیلؔ احوالِ عالم پر انھیں رونا نہیں آتا
کہ جو نیرنگیِ دنیائے آب و گل سمجھتے ہیں

خوبیِ حسنِ یار کی باتیں　　سر بہ سر ہیں بہار کی باتیں
مجھ کو دیکھا تو ہنس دیا وہ شوخ　　اُس تغافل شعار کی باتیں
آہ! وہ ابتدائے عشق کے دن　　وہ زمانِ بہار کی باتیں
ذکرِ ایامِ کامرانِ وصال　　طالعِ سازگار کی باتیں
چشمِ پرشوق کے پیامِ لطیف　　نگہِ شرمسار کی باتیں
دلِ مرحوم کی اٹھان کی شان　　ہائے، اُس ہونہار کی باتیں
اب نہ دل ہے نہ دل میں سوز نہ ساز　　نہ وہ اُس دل فگار کی باتیں
چپ لگے اس کو ہو گیا اک سال　　ہیں یہ پچھلی بہار کی باتیں
اب نہیں ہے بہار، اب نہ کرو　　اس خزاں میں بہار کی باتیں

بے رخی کا کسے یقیں ہو جلیلؔ
یاد ہیں اس کی پیار کی باتیں

ہر وقت مبتلا ہے غم و اضطراب میں　　لگ جائے آگ اس دلِ خانہ خراب میں
اک عمر تک پھرا ہوں تلاشِ جمال میں　　آیا نہ کوئی حسن مرے انتخاب میں
اللہ! میرے جذبۂ دیوانگی کی خیر　　پھر کچھ کمی ہے آج مرے اضطراب میں

کیا دیکھئے ہو حشر گناہ و ثواب کا
گذری تمام عمر گناہ و ثواب میں

اُس صوتِ جاں نواز سے ملتی ہوئی صدا
میں سُن رہا ہوں نغمۂ تارِ رباب میں

کہنے لگے کہ آپ کے خط کا جواب کیا
ہوں بے جواب آپ کے خط کے جواب میں

مانا شراب منع ہے لیکن جنابِ شیخ
فرمائیں کچھ تو آپ شبِ مہ کے باب میں

ساقی! مجھے تو آج تو مے بے حساب دے
ہیں شیشہ و سبو و قدح کس حساب میں

بیشک جنابِ عشق بہت خوب ہے یہ بات
لیکن یہ بات خوب ہے عہدِ شباب میں

مطلب حجابِ نفس ہے جب یہ نہیں تو پھر
کچھ بھی نہیں ہے پردۂ شرم و حجاب میں

دیوانہ اک صدا کا ہوں مجھ کو نہیں جلیلؔ
کچھ امتیاز نغمۂ چنگ و رباب میں

ابھی سمجھا نہیں تم نے مرے جذباتِ پنہاں کو
مری آہیں اگر چاہیں ہلا دیں بزمِ امکاں کو

بس اتنی بات تھی روزِ ازل افسانۂ کُن کی
نمائش اپنی تھی منظور بزم آرائے امکاں کو

بہت ممکن ہے یہ اک دن تری تصویر ہو جائے
کلیجے سے لگا رکھا ہے دل نے داغِ حرماں کو

الٰہی! تجھ کو گر تقصیر کی تعذیر دینی تھی
ابھارا کس لیے دنیا میں تو نے ذوقِ عصیاں کو

جنونِ فتنہ ساماں کی بھی یاد اس نے مٹا ڈالی
دعا دیتا ہوں میں اپنے جنونِ فتنہ ساماں کو

ابھی تو کر چکے ہو چھیڑ تم تارِ رگِ دل سے
خدا کے واسطے چھیڑو نہ اب تارِ رگِ جاں کو

بہار آئی ہے گل پھولے ہیں سبزہ لہلہاتا ہے
اری صیّاد اب آزاد کر دے اہلِ زنداں کو

پشیماں ہوں تمہارے گوشۂ چشمِ پشیماں سے
مری جانب نہ کرنا گوشۂ چشمِ پشیماں کو

کسی صورت دلِ وحشی کو سمجھا لونگا میں اپنے
خدارا آپ سمجھاویں مری اس چشمِ حیراں کو

جلیلِ بے نوا ممنون ہے تیری نوازش کا
کہ دیگر دردِ پنہاں لطف بخشا دردِ پنہاں کو

جز دوست اور کوئی مرا رازداں نہ ہو
کیا لطف آئے دل بھی اگر درمیاں نہ ہو

آئے نہ لب پہ کشمکشِ ضبطِ غم کا حال
اے عشق! دیکھ، حسنِ ترا رائگاں نہ ہو

قرباں تیرے فیض کے اے سوزِ اشتیاق!
یوں خاک کر کہ خاک کا مجھ پہ گماں نہ ہو

دل سے نقوشِ قصۂ غم مٹ گئے تمام
اتنا بھی کوئی محوِ غمِ داستاں نہ ہو

باقی ہیں دل میں خونِ تمنا کی لذتیں
ہاں اے نگاہِ یار! ابھی مہرباں نہ ہو

حسنِ مجاز سے تو نظر آشنا سی ہے
اس پردۂ حجاب میں وہ جانِ جاں نہ ہو

یوں منزلِ حیات کو طے کیجیے جلیل
خاکِ رہِ فنا پہ قدم کا نشاں نہ ہو

اب ہے فنا کے ہاتھ نہ ذوقِ بقا کے ہاتھ
ہے زندگی مری دلِ درد آشنا کے ہاتھ

ہوتی ہی بار یاب وہ اُس بزمِ ناز تک
پیغام بھیجیے انھیں بادِ صبا کے ہاتھ

میدانِ قیامت میں جو یہ حشر بپا ہے
میرے دلِ پُر درد کا اک عکس صدا ہے

محرومیِ پیہم نے بالآخر یہ بتایا
شامل ہے وہ ہر رنگ میں ایسا کہ جدا ہے

ہر جلوہ بصورت میں ہے سامانِ لطافت
شاید پسِ ہر پردہ وہی جلوہ نما ہے

رازِ دلِ مایوس ہو یا بربطِ اُمید
سینہ میں غرض میرے کوئی بول رہا ہے

وارفتگیِ شوق میں اتنا نہیں معلوم
خود ہم ہیں جدا دل سے کہ دل ہم سے جدا ہے

آغازِ حیاتِ ابدی تھا دمِ آخر
غافل تھا جو سمجھا کہ یہ پیغامِ قضا ہے

باطل نہیں اس عالمِ امکاں کے تماشے
باطل انہیں سمجھا تو یہ اپنی ہی خطا ہے

نذرِ خلشِ شوق گئے پھر تپشِ دل
اک آبلہ پا دشت نوردی کو چلا ہے

اللہ رے ترے ذوقِ محبت کے کرشمے!
ہر دل دلِ پُر درد ہے، ہر درد دوا ہے

صحرائے محبت میں جلیلؔ آپ کی ہستی
اک نقشِ تمنا ہے جو زیرِ کفِ پا ہے

میں ہوں اور عالمِ تنہائی ہے
وہ ہیں اور انجمن آرائی ہے

اک قدم اور رہِ عشق میں دل!
سامنے عالمِ رسوائی ہے،

خود بخود پاؤں میں نکلے چھالے
کیا بیاباں میں بہار آئی ہے

پھر نگاہِ غلط انداز ادھر
پھر ترے کشتوں میں جان آئی ہے

عشق میں خوب ہی بدنام ہوا
مجھ سے آگے مری رسوائی ہے

پہلے سوچا نہ ادا نے اُن کی
قتل کر کے مجھے پچھتائی ہے

ہائے ان آنکھوں کی دلکش مستی
دیکھکر جان پہ بن آئی ہے

ہو گئیں اور بھی قاتل آنکھیں
جب سے کچھ ان میں حیا آئی ہے

ہم نے کیا اس کا بگاڑا ہے جلیلؔ
کیوں عدو گنبدِ مینائی ہے

دشواریِ محبتِ جاناں اٹھائیے
جو غم ملے بہ ہمتِ مرداں اٹھائیے

دل کو غریقِ بحرِ محبت بنائیے
اک اک لہو کی بوند سے طوفاں اُٹھائیے

نالوں سے کیجیے تہ و بالا پھر اک جہاں
پھر آج سر پہ کوہ و بیاباں اُٹھائیے

ناکامیوں پہ دل کی دمِ سرد کھینچیے
دوشِ صبا پہ میّتِ ارماں اُٹھائیے

دلِ کیوں نہ شرمِ دوست پہ کر دیجیے نثار
کیوں جنبشِ نگاہ کا احساں اُٹھائیے

بارِ الم سے بیٹھ گیا دل ہزار بار
کب تک جلیل اب غمِ ہجراں اٹھائیے

دل وقفِ یاس و حرماں جاں نذرِ جستجو ہے
دو دن کی زندگی تھی اک خام آرزو ہے

آغازِ عشق وہ تھا جب آرزو تھی اُن کی
انجامِ شوق یہ ہے اب اپنی جستجو ہے

سمجھا تھا اُس کو اب تک اپنے حریمِ دل میں
شرمندہ ہوں سنا ہے جب سے وہ چار سو ہے

مایوسیوں نے پیہم دل سرد کر دیا ہے
اب آرزو کے بدلے اک داغِ آرزو ہے

ہم بیخودوں سے آ کر لے درسِ بے نیازی
بزمِ طلب میں زاہد کیا ذکرِ ما و تو ہے

یہ بھی جلیل شاید نیرنگیِ جنوں ہے
ہم چپ ہیں اور ہمارا افسانہ کو بکو ہے

سوزِ الفت اور سازِ دل کو باہم کیجیے
محفلِ ہستی کسی صورت تو برہم کیجیے

ذرہ ذرہ خاکِ دل کا پھر فراہم کیجیے
منتشر جذبات یعنی پھر مجسم کیجیے

بے تکلف جان نذرِ سعیِ پیہم کیجیے
لطفِ ناکامی کو لیکن دل سے مستحکم کیجیے

جو دکھائے اب جنونِ فتنہ ساماں دیکھئے — جو کہے اب آپ سے یہ فتنۂ غم کیجئے

سوزِ غم سے خاک کر دیجئے جہانِ آب و گل — درد سے آپ اپنا پیدا ایک عالم کیجئے

لطف حاصل کیجئے سرمستیوں میں ہوش کا — بند کیجئے آنکھ اور سیرِ دو عالم کیجئے

بدگمانی کیجئے پیدا اسی میں لطف ہے — حسنِ ظن جتنا مری جانب سے ہو کم کیجئے

چارہ سازِ دہر کی نا عاقبت اندیشیاں — چار دن کے واسطے فکرِ دو عالم کیجئے

مشہدِ اہلِ تمنا سے یہ آتی ہے صدا — فرصتِ ہستی جہاں تک ہو سکے کم کیجئے

حاصلِ سوزِ محبت جانئے اس کو جلیل
زخمِ دل کے واسطے کیوں فکرِ مرہم کیجئے

وہ فرطِ بیکسی ہے کہ اب کیا کہیں جسے — اپنا نہیں ہے کوئی کہ اپنا کہیں جسے

پانے لگا ہے لطفِ خلش ہائے بے حسی — وہ دل کہ حسیات کی دنیا کہیں جسے

ہر پردۂ حجاب میں اے حسنِ بے نقاب — دیکھا ہے یوں تجھے کہ نہ دیکھا کہیں جسے

کیا شانِ التفات ہے اس برقِ حسن کی — یوں خاک کر دیا ہے کہ صحرا کہیں جسے

پھر جوش پر ہے سینۂ محزوں میں آج کل — اک شوق موجۂ لبِ دریا کہیں جسے

پھر اُن لبوں پہ آج ہے اک ارتعاشِ حسن — میرے وفورِ شوق کا نقشا کہیں جسے

اب دل کو آرزو ہے کہ ان کی نگاہِ ناز — اک درد دے کہ غم کا مداوا کہیں جسے

اکثر ہوائے رفعتِ پرواز میں جلیل
طے کر گیا ہوں اوجِ ثریا کہیں جسے

بے پردہ ایک دن جو وہ آئے نظر مجھے — اُس دن سے آج تک نہیں اپنی خبر مجھے
بیخود کیا ہے شوق نے اب اس قدر مجھے — اُن کی ہے کچھ خبر نہ ہے اپنی خبر مجھے
پیشِ نظر وہ جلوۂ رنگیں ہے آج کل — اب ہیچ ہیں مناظرِ شام و سحر مجھے
ظاہر ہیں اُن سے گو کہ ہے اک بے تعلقی — رہتی ہے اُن کے حال کی ساری خبر مجھے
محرومیوں نے گھیر لیا ہے کچھ اس طرح — آئے بھی وہ مگر نہ ہوئی کچھ خبر مجھے
سمجھو اُسی طرف ہے مری منزلِ مراد — لیجائے جس طرف مرا دردِ جگر مجھے
انجامِ اضطراب سے واقف نہ ہو سکا — فرصت نہ اضطراب نے دی عمر بھر مجھے
آنکھوں نے کی ہے مشقِ تصور کی اس قدر — بھولے سے بھی وہ اب نہیں آتے نظر مجھے
طے کر رہا ہوں عشق کی اُن منزلوں کو میں — میری خبر ہے اُن کو نہ اُن کی خبر مجھے
دیکھی جو اُس نے وسعتِ دامانِ التجا — کچھ سوچ کر عطا کیا دردِ جگر مجھے
رگ رگ کو دردِ عشق سے معمور کر لیا — دشواریِ حیات کا اب کیا خطر مجھے
ہر چند ابھی ہے دور بہت منزلِ مراد — آتی ہے صاف سرحدِ منزل نظر مجھے
اس طرح کھو گیا ہوں کہ ملنے کا اب نہیں — ڈھونڈیں ہزار دیدۂ اہلِ نظر مجھے

گذری ہے بیکسی میں جلیل اپنی زندگی
کوئی شریکِ غم نہ ملا عمر بھر مجھے

گذر چمن میں جو وہ شوخ ایک بار کرے — ہر ایک ذرہ سے پیدا نئی بہار کرے
خراب حال کرے مجھ کو کامگار کرے — جو چاہے تیری نظر کو ہے اختیار کرے
ذرا کرم جو یہ بدمستیِ بہار کرے — خدا جو چاہے تو زاہد کو میگسار کرے

ستم سے ہو تو چلا ہی دلِ حزیں مانوس
ستم کا تیرے مگر کون اعتبار کرے

چلا تو ہوں میں بہ صد شوق نذرِ دل لیکر
ترے حضور میں اللہ باوقار کرے

جسے نصیب ہوا اُس گُل کی جلوہ فرمائی
وہ بھول کر نہ کبھی خواہشِ بہار کرے

تمام آرزوئیں جس کی نذرِ غم ہو جائیں
وہ کیا کرے نہ اگر صبر اختیار کرے

ریاضِ دہر میں ہوں میں وہ نخلِ مایوسی
کبھی نہ سبز جسے موسمِ بہار کرے

ازل سے جرم کا میرے ہے تذکرہ جاری
کسی غریب کو یوں بھی نہ کوئی خوار کرے

وہ کم نصیب ہے عقل و خرد سے بیگانہ
جو عاشقی میں نہ دامن کو تار تار کرے

ابھی ہے تکملۂ جوششِ جنوں باقی
کچھ اور گریہ ابھی چشمِ اشکبار کرے

ہر ایک سانس میں مضمر ہی اک پیامِ اجل
جلیل کیا کوئی ہستی کا اعتبار کرے

یہ کون بزمِ سخن میں غزل سرا ہے جلیل
خدا کے واسطے کہہ دو نہ بیقرار کرے

دل کے احساسات میں جس دن کمی ہو جائیگی
دیکھنا بے لطف اُس دن زندگی ہو جائیگی

گر کبھی اس کی نگاہِ دل بری ہو جائیگی
اس تنِ بیجاں میں رقصاں زندگی ہو جائیگی

بڑھتے بڑھتے دردِ دل ہو جائے گا وجہِ سکوں
رفتہ رفتہ سوزِ پنہاں میں کمی ہو جائیگی

چارہ گر افسانۂ بربادیٔ الفت نہ پوچھ
مضطرب سینہ میں روحِ عاشقی ہو جائیگی

اس کے لب پر دیکھ لیں گے جب تبسم کی بہار
جوش زن رگ رگ میں موجِ سرخوشی ہو جائیگی

تم دکھاؤ تو سہی نظارۂ حسن و جمال
دیدۂ بے نور میں خود روشنی ہو جائیگی

یہ دلِ مایوس اور تیری جفاؤں سے گریز
خوف اتنا ہے مری دل بستگی ہو جائیگی

سُننے والے دیکھ اس کی دل پذیری پر نہ جا ختم اک دن داستانِ زندگی ہوجائیگی
چند روزہ عیش پر غافل مٹا ہے کس لیے سازِ غم کو چھیڑ، یہ دنیا نئی ہوجائیگی
ذوقِ دل کے ساتھ ہیں یہ جلوہ ہائے رنگ رنگ یہ نہ ہو تو سرد بزمِ عاشقی ہوجائے گی
اپنی عظمت سے اگر انسان واقف ہوگیا ساری دنیا پرتوِ نقشِ خودی ہوجائیگی

سوزِ غم کی گر یہی حالت رہی کچھ دن جلیلؔ
دیکھنا، یہ جان نذرِ عاشقی ہوجائیگی

چشمِ تر ساری رات روتی ہے جب کہ دنیا تمام سوتی ہے
آج پھر قلب میں ہے کچھ جنبش، گفتگو اُن سے آج ہوتی ہے
کشتِ غم میں ہماری چشمِ تر روز و شب تخمِ اشک بوتی ہے
کٹ رہی ہے عجیب لطف سے رات جاگتی ہے نہ آنکھ سوتی ہے،
اشک اب آنکھ میں نہیں آتے نہ وہ دل میں خلش سی ہوتی ہے
عہدِ عشرت کی یاد، ارے توبہ دل میں نشتر سا اک چبھوتی ہے
باغ میں چاندنی چھٹکتی ہے، آنکھ بے اختیار روتی ہے
تیرے غم میں جو اشکِ تر ٹپکا حاصلِ بحرِ غم وہ موتی ہے
کس قدر بیقرار ہے شبنم گل کا منہ آنسوؤں سے دھوتی ہے
چشمِ تر! کیوں ہوئی ہے دیوانی کس لئے جان اپنی کھوتی ہے
بیقراری ہماری دل کی حیف نامِ عشاق کا ڈبوتی ہے
اشکباری عجیب شے ہے جلیلؔ شیشۂ دل کے داغ دھوتی ہے

عجب طرح کا ہے کچھ آج اضطراب مجھے
کہ زندگی نظر آتی ہے اک عذاب مجھے

دکھا رہے ہیں جو وہ حسن بے حجاب مجھے
بنا رہے ہیں وہ ذرّے سے آفتاب مجھے

چمن میں دیکھی ہی پھولوں کی خوب جلوہ گری
ملا نہ حسن کا تیرے کہیں جواب مجھے

دعائے وصل کے بعد اب یہ خوف ہی مجھکو
کہ جذبِ دل کہیں کر دے نہ کامیاب مجھے

رہِ درازِ محبت کی مشکلات نہ پوچھ
قدم قدم پہ ملی منزلِ حجاب مجھے

یہ کس کی پرتوِ رنگین کا فیض ہے یارب
کہ داغِ دل نظر آتا ہے آفتاب مجھے

کرے گا غرقِ محبت یہ دیدۂ خوں بار
مٹائے گا یہ مرے دل کا اضطراب مجھے

مرے ملال کا جب ہو سکا نہ اُن سے علاج
چھپا لیا پسِ صد پردۂ حجاب مجھے

وہ ابتدائے محبت میں شوق کی تاثیر
کہ ہر ستم میں تھا اک لطفِ بے حساب مجھے

اب انتہائے جنوں میں یہ میری محرومی
کہ تیرا لطف و کرم بھی ہی اک عذاب مجھے

مرے ملال کی وسعت کا کچھ ٹھکانا ہے
سکونِ عیش سے ہوتا ہے اضطراب مجھے

میں کارگاہِ فنا میں وہ تشنہ لب ہوں جلیلؔ
تمام عالمِ ہستی ہے اک سراب مجھے

نگاہِ ناز سے وہ ارتباط کا آغاز
جلیلؔ یاد ہے اب تک مثالِ خواب مجھے

اے جانِ زندگی و دل آرامِ زندگی
تیری ہر اک نظر میں ہے پیغامِ زندگی

آغازِ زندگی ہے نہ انجامِ زندگی
وابستہ تیرے نام سے ہے نامِ زندگی

دھندلا سا داغِ حسرتِ ناکامِ زندگی
ہے یادگارِ عشرتِ ایّامِ زندگی

افسردگی سے تنگ ہوں ساقی میں بے طرح
للّٰہ کر عطا مجھے اِک جامِ زندگی!

اللہ ری اُن کی شوخ نگاہوں کی مستیاں
لبریز ہیں شراب سے دو جامِ زندگی

جب سے وہ جلوۂ رخِ انور ہے دل نشیں
کٹتے عجب طرح سے ہیں ایامِ زندگی

اے بے وفا! میں تیری محبت کو کیا کہوں
رگ رگ میں ہے اک آتشِ بے نامِ زندگی

جو دن کہ اُن کے ساتھ گذر جائیں عشق میں
سمجھو اُنھیں کو حاصلِ ایامِ زندگی

غافل ہے تو ہی عینِ حقیقت ہے بیخبر!
خود ورنہ دردِ زیست ہے انعامِ زندگی

چھیڑا تھا دل کو حسنِ ازل نے کچھ اس طرح
اب تک تڑپ رہا ہوں تہِ دامِ زندگی

رازِ حیات کی ہے حقیقت کچھ اور ہی
یہ زندگی نہیں ہے یہ ہے نامِ زندگی

کیا خوفِ مرگ اور یہ کیا خواہشِ حیات
بالاتعینات سے ہے بامِ زندگی

حاصل ہوئی نہ غم سے فراغت مجھے جلیلؔ
کس درجہ تھا میں دہر میں ناکامِ زندگی

بارہا لوٹے ہوں جس نے آشنائی کے مزے
ہوں اُسی عاشق کی قسمت میں جدائی کے مزے

اللہ اللہ ابتدائے آشنائی کے مزے
وہ گدازِ قلب وہ دل کی صفائی کے مزے

بُعد میں حاصل ہیں وہ جو قرب میں حاصل نہ تھا
میرے دل سے کوئی پوچھے اس جدائی کے مزے

خانۂ دل بن گیا ہے سر بسر اک ہیکلِ نور
آہ اُس چشمِ حیا کی پارسائی کے مزے

اک دلِ مایوس اور الفت کی سو کیفیتیں
اک غمِ ناکام اور ساری خدائی کے مزے

ہو گیا بیدار جن سے وہ دلِ معصوم بھی
یاد ہیں وہ گریہ ہائے ابتدائی کے مزے

دیدہ و دل اب بھی گو روتے ہیں ہجرِ یار میں
پھر کہاں وہ گریہ ہائے ابتدائی کے مزے

قابلِ صد رشک ہے اُس کا مقدر اے جلیلؔ
جس کی قسمت میں ہوں اس در کی گدائی کے مزے

اُس کی نگاہِ مست کا منظر لیے ہوئے
جاتا ہوں بزمِ یار سے ساغر لیے ہوئے

ڈرتا ہوں بے قرار نہ ہو جائیں اہلِ حسن
بیٹھا ہوں لب پہ نالۂ مضطر لیے ہوئے

آتا ہے میرے دل کی طرف آج پھر وہ شوخ
رنگینیِ بہار کا منظر لیے ہوئے

آزاد ہے جو قیدِ خزان و بہار سے
آنکھوں میں ہوں وہ روئے منور لیے ہوئے

کل یک بہ یک کہیں سرِ محفل وہ آ گئے
سب رند رہ گئے مے و ساغر لیے ہوئے

خود سر تھے جس قدر سرِ منزل پہونچ گئے
ہم آج تک ہیں راہ میں رہبر لیے ہوئے

اُس انجمن میں بھی یہ نہ بہلا کسی طرح
جاؤں میں اب کہاں دلِ مضطر لیے ہوئے

سیراب جس سے ہے چمنستانِ آرزو
وہ آگ ہوں میں سینہ کے اندر لیے ہوئے

دامن چھڑا کے ہاتھ سے وہ چل دیئے جلیلؔ
ہم رہ گئے ملال کا دفتر لیے ہوئے

ہے آرزو کہ جلوۂ جانانہ دیکھئے
روشن جبینِ یار سے کاشانہ دیکھئے

چھٹ جائے جامِ ضبط نہ پھر ہاتھ سے کہیں
مستِ شرابِ شوق ہے دیوانہ دیکھئے

منزل کا ہوش کچھ ہے نہ ہی راہ کی خبر
لیجائے کس طرف دلِ دیوانہ دیکھئے

کس کے جمال سے چمک اُٹھے ہیں بام و در
کس سے ہوئی ہے رونقِ کاشانہ دیکھئے

رنگین جوشِ گل سے ہے پھر دامنِ بہار
پھر کہہ رہا ہے کچھ دلِ دیوانہ دیکھئے

لایا تو ہے نکال کے اُس بزم سے مجھے
لے جائے اب کہاں دلِ دیوانہ دیکھئے

لیکر نگاہِ شوق میں اُس کی ضیائے حسن
ہر ہر قدم پہ جلوۂ جانانہ دیکھئے

ذروں کو اک نظر میں گلستاں بنائیے
مل جائیں پھول خاک میں ایسا نہ دیکھئے

نکلے نہ شانِ حسن میں اک آہ بھی جلیلؔ
خاموش مثلِ نرگسِ مستانہ دیکھئے

یہ جان رہِ عشق میں جب خاک بسر تھی
اک خاص طریقہ سے اُنھیں میری خبر تھی

بے فکر تو ظاہر میں بہت اُن کی نظر تھی
دیکھا تو مرے حال کی سب اُن کو خبر تھی

سینہ کو مرے کر گئی اک آن میں روشن
اب کیا کہوں کیا چیز تری برقِ نظر تھی

آنکھوں سے مرے ہٹ نہ سکا وہ رخِ انور
کس درجہ شبِ غم خلشِ دردِ جگر تھی

دیکھا نہ گیا حسنِ رخِ یار کا عالم
جلووں کی نمائش میں کسے تابِ نظر تھی

ہر بار تصور نے دکھائے نئے جلوے
اک رنگ پہ کب حالتِ پروازِ نظر تھی

کیا پوچھتے ہو مجھ سے شبِ ہجر کا عالم
پیہم خلشِ درد ز دل تا بہ جگر تھی

آنکھوں میں تھا ہر جلوۂ مستانہ کسی کا
کیا چیز مری وسعتِ دامانِ نظر تھی

کی دل نے جلیلؔ اپنی مدد عشق میں ورنہ
تھی خام اگر عقل تو محدود نظر تھی

موسمِ گل میں ہم قمری و شمشاد ملے
اک ہمیں چھٹ کے نہ تجھ سے ستم ایجاد ملے

بے خبر ہو کے ہوئی مجھ پہ جو بیداد تو کیا
جان کر کیجے تو کچھ لذتِ بیداد ملے

اے فلک تکملۂ خونِ تمنا ہی سہی
کچھ تو ایثارِ محبت کی مجھے داد ملے

ہے یہ دشوار کہ ہو کامِ تمنا حاصل
جب تلک جذبۂ محبت کی نہ امداد ملے

عشق میں کوہ کنی کے لیے تیار رہو!
یہی کہتے تھے جو کل حضرتِ فرہاد ملے

خاکِ دل کو مری اُس راہ میں پہونچا دینا
اے صبا تجھ کو جہاں وہ ستم ایجاد ملے

بے اثر نالۂ عشاق کو سمجھیں نہ حضور
دل میں گھر کر لیں اگر رخصتِ فریاد ملے

یہی سجّادؔ سے کہنا کہ تڑپتا ہے جلیلؔ
اے صبا تجھ کو جو وہ بندۂ آزاد ملے

طاری ہیں دل پہ کیفیتیں اضطرار کی
کیا شوخیاں ہیں اس نگہِ سحر کار کی

دولت لیے ہوں دل میں غمِ عشقِ یار کی
کیا فکر مجھ کو گردشِ لیل و نہار کی

باقی رہا کسی کو نہ پھر دل پہ اختیار
آئی تھی ایک موج نسیمِ بہار کی

ہے تار تار پیرہن اب کی بہار میں
یارب ہو خیر پیرہنِ تار تار کی

اللہ رے فیض تخششِ جوشِ جنونِ عشق
دھجّی نہیں ہے پیرہنِ تار تار کی

جب سے سنا ہے آئیں گے وہ مجھ کو دیکھنے
حالت عجیب سی ہے مرے قلبِ زار کی

بیٹھا ہوا ہوں دیدۂ دل وا کیے ہوئے
لذت اُٹھا رہا ہوں غمِ انتظار کی

ہاں اب کریں وہ شوق سے وعدہ خلافیاں
عادت سی ہو گئی ہے مجھے انتظار کی

آشوبِ عشق ہی میں ہے پوشیدہ لطفِ عشق
تلخی ہے جان بادۂ ناخوش گوار کی

سرمہ سمجھ کے اُس کو لگاؤں میں آنکھ سے
مجھ کو ملے تو خاک تری رہ گذار کی

مجبور ہو کے رسم و رہِ عشق سے جلیلؔ
کم بخت دل نے راہِ وفا اختیار کی

ل؎ سید سجّاد حیدر یلدرم۔

جب ختم سارے عشق کے آداب ہو گئے
کچھ بن پڑا نہ ہم سے تو بیتاب ہو گئے

قابو نہ رکھ سکے دلِ حسرت نصیب پر
ہم دیکھتے ہی آپ کو بے تاب ہو گئے

اپنوں سے آج تک ہے وہی اُن کو اجتناب
جو غیر تھے وہ داخلِ احباب ہو گئے

وہ داستانِ ہجر، وہ ہنگامۂ وصال
قصے جنونِ عشق کے اب خواب ہو گئے

اللہ رے فیض آپ کے حسنِ لطیف کا
مشتاقِ دید آن میں سیراب ہو گئے

نخلِ مراد خشک تھے جو باغِ عشق میں
پھر آپ کے کرم سے وہ شاداب ہو گئے

تاریک جس قدر تھے مرے داغ ہائے دل
تیری ضیائے حسن سے مہتاب ہو گئے

نازاں ہو اپنی خوبیِ قسمت پہ کیوں نہ دل
ہم بھی شریکِ زمرۂ احباب ہو گئے

اُن جامہ ہائے سادہ کی اللہ رے دل کشی
جو اُس تنِ لطیف پہ کمخواب ہو گئے

سادہ سی تھی ہماری حقیقت مگر جلیلؔ
ڈھونڈھے گئے ہم اتنے کہ نایاب ہو گئے

متاعِ حسن عیشِ جاوداں معلوم ہوتی ہے
تری رونق بہارِ بے خزاں معلوم ہوتی ہے

زبانِ عشق چپ ہے، رازِ الفت آشکارا ہے
خموشی ترجمانِ بے زباں معلوم ہوتی ہے

غمِ دنیا و دیں سے دل کو اس نے کر دیا فارغ
تری الفت انیسِ بے کساں معلوم ہوتی ہے

خوشی کے چند دن تھے جو خوشی میں کٹ گئے لیکن
حیاتِ غم حیاتِ جاوداں معلوم ہوتی ہے

کبھی جو آرزو نقش و نگارِ لوحۂ دل تھی
وہی سینہ پہ اب سنگِ گراں معلوم ہوتی ہے

ابھی ہے دور سرحد لذتِ دردِ نہانی کی
ابھی تو لذتِ دردِ نہاں معلوم ہوتی ہے

بھرے آتے ہیں آنسو سن کے حالِ گریۂ بلبل
ارے دل! یہ تو اپنی داستاں معلوم ہوتی ہے

ہجومِ غم کی دل پر آج کل ایسی کشاکش ہے
متاعِ زندگی بارِ گراں معلوم ہوتی ہے

یہ ڈر ہے رازِ دل افسانہ ہو جائے کہیں یارب
نگاہِ یار اب کچھ مہرباں معلوم ہوتی ہے

خدا معلوم کتنے اور کیسے غم اُٹھائے ہیں
ہنسی بھی دردمندوں کی فغاں معلوم ہوتی ہے

کیا انکار بھی اُس نے تو امیدیں بڑھیں دل کی
یہ اُس کی شوخیِ حسنِ بیاں معلوم ہوتی ہے

زباں پر حالِ دل آئے جلیلؔ اس کی ضرورت کیا
مری ہستی مجسم داستاں معلوم ہوتی ہے

اہلِ دل کا نہیں اس دور میں پرساں کوئی
لیے بیٹھا ہے متاعِ غمِ پنہاں کوئی

فکرِ پوشیدگیِ راز میں ہیں دیوانے
سی رہا ہے کوئی دامن تو گریباں کوئی

دیکھ اے مطربِ غم! چھیڑ نہ یوں سازِ جنوں
ٹوٹ جائے نہ کہیں تارِ رگِ جاں کوئی

حالِ دل سن کے مرا کوئی پشیماں کیوں ہے؟
حالِ دل سن کے مرا ہو نہ پشیماں کوئی!

تابِ نظارگیِ جلوۂ جاناں کے لیے،
لائے ہر بار نیا دیدۂ حیراں کوئی

چاک دل ہی نہیں اب چاک گریباں کیسا
ہائے اتنا بھی نہ ہو بے سر و ساماں کوئی

دل میں اک قطرۂ خوں ہے سو جما رہتا ہے
اس سمندر میں اب اُٹھتا نہیں طوفاں کوئی

چھپ کے بیٹھا ہے جو وہ رشکِ بہاراں دل میں
اب سماتا نہیں آنکھوں میں گلستاں کوئی

وقت پر منتِ اغیار گوارا کر لے
ہو نہ شرمندۂ الطافِ عزیزاں کوئی

محفلِ شعر میں اس طرح غزل خواں ہے جلیلؔ
جیسے ہو نغمہ سرا مرغِ خوش الحاں کوئی

کیا طرفہ تماشا ہے ہنگامِ قدح نوشی / سو جلوے دکھاتا ہے اک پردۂ بیہوشی
طاری جو رہی دل پر وہ اور تھی کیفیت / سب کہنے کی باتیں ہیں ہشیاری و بیہوشی
اللہ ری مجبوری، آدابِ محبت کی / سینہ میں تلاطم ہے اور لب پہ ہے خاموشی
اے حسنِ حیا پرور، اے پیکرِ محبوبی / اک بندۂ الفت سے یہ وعدہ فراموشی
یہ سوزِ دروں کب تک؟ یہ ضبطِ جنوں کب تک؟ / کچھ اُن سے بیاں کر دے اے پردۂ خاموشی
کس حسرتِ دیرینہ کا سوگ ہے یہ، یارب؟ / آفت کدۂ دل میں چھائی ہے جو خاموشی

پائی ہے اُن آنکھوں کی مخمور نگاہی سے
بیہوش نے ہشیاری، ہشیار نے بیہوشی

کیا غم ہے جو ہم عشق میں ناشاد رہیں گے / یہ دیکھئے کس کے لیے برباد رہیں گے
اک عمر سے برباد ہیں ہم راہِ فنا میں / اک عمر اسی راہ میں برباد رہیں گے
معلوم یہ ہوتا ہے ابھی ہم ترے ہاتھوں / حیران بہت اے دلِ ناشاد رہیں گے
وہ دن بھی نہیں دور کہ جب صحنِ چمن میں / باقی نہ کہیں صید نہ صیّاد رہیں گے

حاصل تھی ترے قرب کی جب دل کو مسرت
ایام وہ تادیر ہمیں یاد رہیں گے

الزامِ جنوں مجھ پہ لگاتے رہے احباب / ہر چند اس الزام کو سمجھا نہ کسی نے
پوشیدہ رہے راز جو فہمِ بشری سے / پہچان لیا اُن کو مری کم نظری نے
دیوانے نے جو خاک کہ دامن سے جھٹک دی / آنکھوں سے لگایا اُسے فہمِ بشری نے

دردِ دل ہجر میں جب وقت ستاتا ہی مجھے
سر ٹپکتا ہوں وہ جلوہ نظر آتا ہی مجھے

آج اے ضبطِ جنوں، اپنی دکھادی تاثیر
امتحاں دیدۂ نم ناک کا دینا ہی مجھے

دیکھنے ہی نہ دیا شانِ خود آرائی نے
بے حجابی بھی ترے حسن کی پردا ہی مجھے

رونے پہ ترے غم میں جو یہ چشمِ تر آئے
ہر اشک میں بہتا ہوا لختِ جگر آئے

اس طرح کہ چھوٹی نہ کوئی شانِ تلوّن
جب آئے تصور میں برنگِ دگر آئے

اک بار بھی آئے نہ مرے لب پہ تمنا
یوں سینہ میں سو بار ز دل تا جگر آئے

حالت یہ ہے اب آہ بھی لب پر نہیں آتی
آہوں میں بھلا میری کہاں سے اثر آئے

مستیِ حسن میں تم آج جو گھر سے نکلے
تم ہی تم مجھ کو نظر آئے جدھر سے نکلے

دل سمجھتا تھا ترے قرب سے ہوگی تسکیں
اشکِ خوں آج بھی اس دیدۂ تر سے نکلے

نقدِ جاں اُس پہ مٹانے کو لیے پھرتا ہوں
شاید اس سمت سے، اس راہ گذر سے نکلے

دل مرا کشمکشِ شوق سے چھٹ جائے گا
تیرا پیکاں تو کسی طرح جگر سے نکلے

ترے در پہ جب تک نہ ہوگی رسائی
یہ زاری رہے گی زبونی رہے گی

نہ ہوں گے اگر اُس میں اِس دل کے نالے
تری عیش کی بزم سونی رہے گی

جو شامل رہی یادِ شب ہائے فرقت
بہارِ شبِ وصل دونی رہے گی

ستم سہنے کو مل جائے تو عمرِ جاوداں اچھی
محبت میں جو کام آئے وہ جانِ ناتواں اچھی

دلِ افسردہ میں اتنا ابھی احساس باقی ہے
کہ لگتی ہے ابھی آب و ہوائے گلستاں اچھی

سر میں نہ اب ہے وہ جنوں، دل میں نہ اب وہ درد ہے
المدد، اے ہوائے شوق، آتشِ عشق سرد ہے
دیکھی تھی اک جھلک کہیں روزِ ازل سے آج تک
آنکھ کو شوقِ دید ہے، دل میں بلا کا درد ہے

یہ کیا طلسم دیدۂ حیرت نگر میں ہے
ہر جلوہ حسنِ یار کا میری نظر میں ہے
گو لوحِ دل سے مٹ گئے نقش و نگارِ حسن
پہلی جھلک کسی کی ابھی تک نظر میں ہے

دل چھوڑ کر جگر کو ستانے سے فائدہ؟
وہ بھی غریب دل کی طرح بے زبان ہے
ہم پر خوشی سے مشقِ ستم کیجیے، مگر
اتنا رہے خیال ہمارے بھی جان ہے
واقف ہے رازِ لطف و ستم سے دلِ حزیں
ہم بیکسوں پہ بھی وہ بہت مہربان ہے

موسمِ گل کا تذکرہ نہ کرو
دلِ مرحوم یاد آتا ہے
ہجر میں نہ اس طرح تڑپو
میکشو، ابر و باد آتا ہے
اس کی محفل میں بار بار ہے دل
شاد جاتا ہے شاد آتا ہے

کچھ تجھے بھی ہے خبر میرے دلِ ناشاد کی
اے کہ تجھ پر میں نے اپنی زندگی برباد کی
بزم میں بیٹھے ہیں گو لاکھوں ہی اہلِ دل مگر
مجھ پہ ہی پڑتی ہیں نظریں اس ستم ایجاد کی

دکھائے خوب محبت نے سبز باغ مجھے
ملا نہ نخلِ وفا کا کہیں سراغ مجھے
جو کی ہے مجھ سے محبت تو یوں نہ ترساؤ
جو دل لیا ہے تو جاؤ نہ دے کے داغ مجھے

بیخود کیا تھا اُن کی نگاہوں کے جام نے — منظر وہ آج تک ہے نگاہوں کے سامنے

آرزو باقی ہے اب دل میں نہ داغِ آرزو — ابتدائے آرزو کی یاد لیکن تازہ ہے

مدت ہوئی کہ دل کی وہ حالت نہیں رہی — یعنی کسی حسیں سے محبت نہیں رہی

کم ہوگی نہ تا حشر یہ اشکوں کی روانی — ہے یہ خلشِ دردِ محبت کی نشانی

چاہتے مجھ سے ہیں ہر بار وہ اک آہ نئی — زندگی لاؤں کہاں سے مرے اللہ نئی

ہے حسن کے جلووں میں اعجازِ مسیحائی — وہ نزع میں کیا آئے، پھر جسم میں جاں آئی

میں فکرِ معشیت سے اک دم نہ ہوا خالی — بے فکری و آزادی اس غم نے مری کھالی
اے غنچۂ افسردہ، اے سبزۂ نورستہ! — دیکھی نہیں جاتی ہے مجھ سے تری پامالی

کیا اُٹھاتے ہو یہ تم اپنی نظر کے فتنے، — تم نے دیکھے نہیں اس دیدۂ تر کے فتنے

رہ گیا ہے بس غرض پر اب مدارِ دوستی — ہو بنا ایسی تو کیا ہو اعتبارِ دوستی

بے فائدہ گذر گئی دو دن کی زندگی — افسوس ہم کسی سے بھی نیکی نہ کر چلے

رُباعیاں

۷۸۶

بیگانہ و بے خبر نہیں ملتا ہے — کوئی اہلِ نظر نہیں ملتا ہے
بخشوں جسے اپنی رازداری کا شرف — ایسا کوئی بشر نہیں ملتا ہے

نیرنگِ قضا کو رام کر لینے دے — سعیِ عیشِ دوام کر لینے دے
اے دستِ اجل ابھی جوانی ہے مری — کچھ تو دنیا میں کام کر لینے دے

پھرتی ہے نظر میں صورتِ پاکِ وطن — وہ گھر وہ زمیں وہ در وہ افلاکِ وطن
آنکھوں میں لگاؤں میں بنا کر سرمہ — غربت میں اگر ملے مجھے خاکِ وطن

اپنے کو بہ طورِ مستقل خوش کر لوں — کس طرح یہ طبعِ مضمحل خوش کر لوں
اس بزمِ جہاں میں کون ایسا ہے جلیلؔ — دم بھر کو میں جس سے مل کے دل خوش کر لوں

سرسبز چمن ہے، ہر طرف پانی ہے — یہ جوششِ بہار وجہ حیرانی ہے
پھر کسوتِ جاں میں اٹھ رہے ہیں شعلے — دل میں جذبات کی فراوانی ہے

مشرق سے جو کل سحر نمودار ہوئی — رونق دہِ باغ و دشت و کہسار ہوئی
لیکن مرے دل میں آرزوئے مایوس — ایسی سوئی کہ پھر نہ بیدار ہوئی

قطرہ دریا میں مل کے دریا ہو جائے
ذرہ صحرا میں جزوِ صحرا ہو جائے
میرا بھی وجود اُس رخِ رنگین کا
پردا ہو جائے کاش ایسا ہو جائے

ایسے اے دوست تم ہوئے مجھ سے جدا
باقی نہیں کچھ بھی زندہ رہنے کا مز
تم کہہ سکے مجھ سے کچھ نہ میں کچھ تم سے
معلوم نہیں دلوں پہ گذری کیا کیا

رنج و غم سے کبھی نہ فرصت ہو گی
اس قلب کو ایک دم نہ راحت ہو گی
اُس در پہ کریں ادا نمازِ الفت
ہم کو نہ نصیب یہ سعادت ہو گی

جب دہر سے سوئے آخرت جائیں گے
کیا لائے تھے ساتھ، کچھ جو لیجائیں گے
معلوم ہے سب حقیقت افسانے کی
دنیا میں ملا ہی کیا، جو واں پائیں گے

جلیل قدوائی کی اور تصانیف

مونا وانا یعنی مشہور بلجین ڈرامہ نگار مارس میٹرلنک کے شہ کار کا اردو ترجمہ جس میں دکھایا گیا ہے کہ کس طرح محاصرۂ پیسا میں ایک سپہ سالار کی پاک باز شوہر کی پرستار بیوی اپنے شوہر کی مرضی کے خلاف ایک قوم کو زندہ رکھنے کے لئے اپنی عصمت پر کھیل جانے کو تیار ہو جاتی ہے اور بالآخر اپنی نیک نیتی اور ہمت کی بدولت نہ صرف اپنے کو صاف بچا لیتی ہے بلکہ دشمن کی فوج کے سپہ سالار کو جو اس کا عاشق ہے اپنے کیمپ میں لے آتی ہے۔ پھر شوہر کی بدگمانیاں، عورت کی دیوانگی، عجیب دل آویز بیک گراؤنڈ ہر سطر میں واردات محبت، اندازِ بیان شگفتہ اور رنگین، میٹرلنک کی سادہ نگاری میں ایک جہانِ حسن ہے، وہ معمولی سی معمولی باتوں سے متاثر ہو کر ایک ایسے عالم میں جا پہنچتا ہے جہاں تڑپ ہے اور گداز ہے، جہاں زندگی ایک معطر شگفتگی، ایک پرسحر لحن میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ زیر طبع، قیمت عہ

ماموں جان یعنی چیخوف کے ایک معرکۃ الآرا ڈرامہ کا ترجمہ، روس کی قصباتی زندگی ملاحظہ کیجئے، جو ہماری دیہاتی زندگی سے ملتی ہے۔ عجیب و غریب کیرکٹر۔ جھونپڑوں میں عشق کی نیرنگیاں، محنت مزدوری، زندگی کے دشوار اور پیچیدہ مسئلے، خیالات، توہمات، ہنسنا، رونا، لڑنا جھگڑنا، بے حد دلچسپ سچا اور اندازِ بیان میں بے مثل ڈرامہ۔ زیر طبع، قیمت عہ،

اسی مصنّف کے قلم سے

سیرِ گُل یعنی مختصر افسانوں کا مجموعہ، وہ کتاب جس نے مصنّف کو دورِ حاضرہ کے اہلِ قلم کی صفِ اول میں جگہ دلائی۔ آج روسی ادب کی عموماً اور چیخوف کی کہانیوں کی خصوصاً اُردو ادب میں ایک عام شہرت ہے لیکن اگر اُن کے اولین پیش کرنے والے کی تحریروں کا اعجاز دیکھنا ہو تو سیرِ گل ملاحظہ کیجئے۔ بلامبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ اس زمانہ میں جس قدر شہرت اور ہردلعزیزی افسانوں کے اس مجموعہ کو حاصل ہوئی کسی دوسری کتاب کو نصیب نہیں ہوئی۔ اس کتاب پر بے شمار تحسینی مضامین اور تعریفی ریویو نکل چکے ہیں۔ قیمت عہ

اصنامِ خیالی یعنی حضرت قدوائی کے اُن افسانوں کا مجموعہ جو سیرِ گل کی اشاعت کے بعد ملک کے مختلف رسائل میں شایع ہوکر مقبولِ عام ہوئے اشاعت سے کچھ دن پہلے نیرنگِ خیال اور مخزن وغیرہ میں اس کے متعلق ذرا سا نوٹ شایع ہونے پر فرمایشوں پر فرمایشیں آنا شروع ہوگئیں تھیں۔ اب چھپ کر تیار ہے، اگر آپ کو افسانوں میں "تحلیلِ نفسی" "تجزیۂ سیرت" جزئیات نگاری۔ اثر آفرینی۔ سلاستِ بیان بلندیٔ تخیل" سب یکجا دیکھنا ہوں تو جلیل قدوائی کے افسانے پڑھئے جو اس بارہ میں خاص شہرت رکھتے ہیں اور اصنامِ خیالی تو اس "نقاشِ ادب" کا "نقشِ ثانی" ہے قیمت عہ